دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

•جلد 09/•شمارہ 08/•فروری/2020

ماہنامہ فہمِ دین

کشمیر
پر
ہماری آواز طاقت ور
کیسے ہو؟

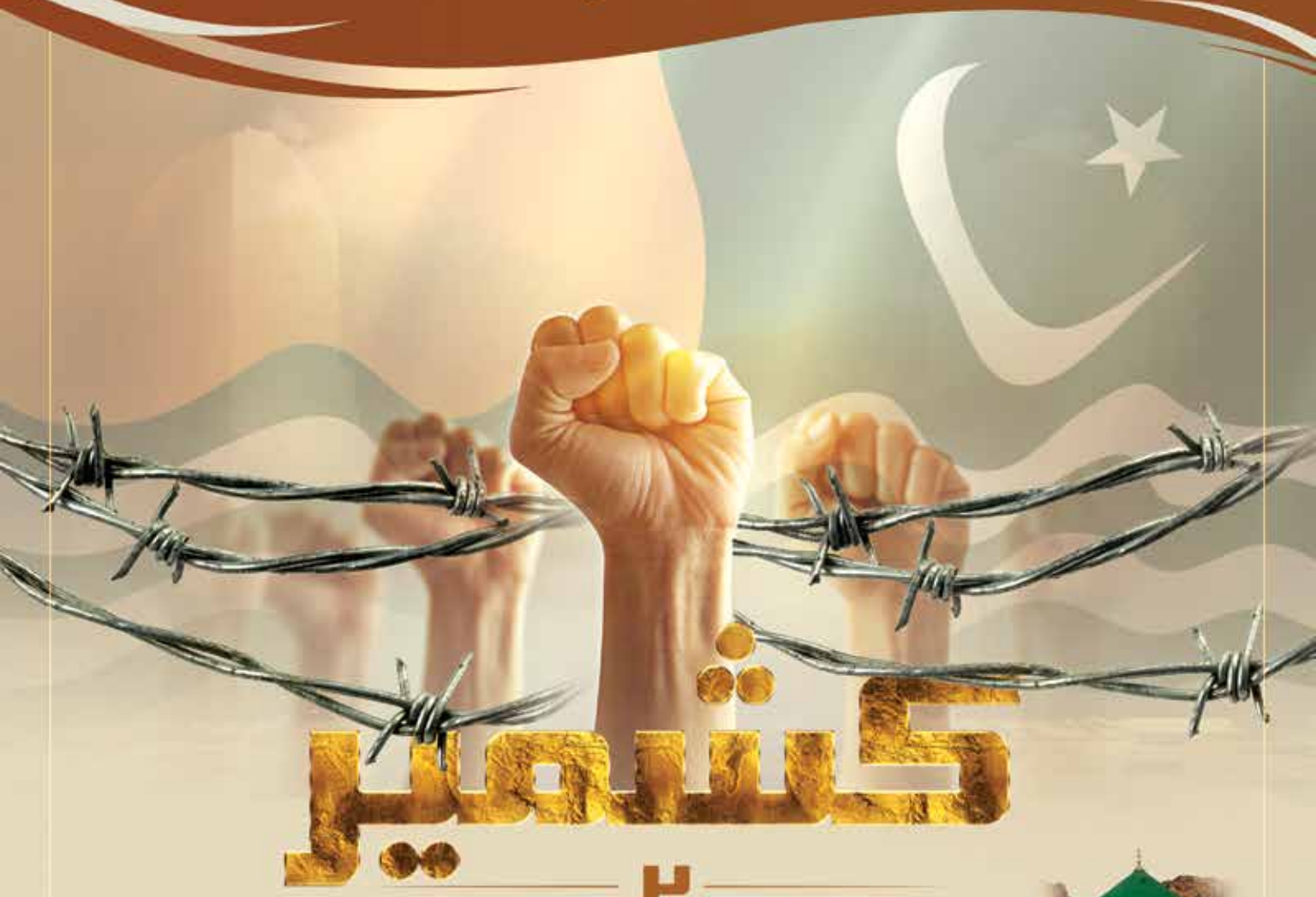

دینو بالی

محبت کا سوالی

BAITUSSALAM
PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BAITUSSALAM/PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM
IMDADI MARKAZ
امدادی مرکز
ضرورتمندوں کی خدمت عزت و احترام کے ساتھ

بیت السلام
BAITUSSALAM
WELFARE TRUST

سفید پوش گھرانوں کی خدمت کے خواہش مند حضرات و خواتین کے لیے بہترین موقع بیت السلام امدادی مرکز سے رابطہ کیجیے، نقد رقم، راشن اور دیگر ضروریات عطیہ کیجیے

یہاں سے درج ذیل مراحل کے بعد مستحق گھرانوں کو راشن اور اشیاء ضرورت فراہم کی جاتی ہیں

مستحقین کی رجسٹریشن

امدادی کارڈ کا اجراء

امدادی مرکز سے ضروریات کا حصول

کیا آپ بیت السلام کے توسط سے کسی سفید پوش خاندان کی مدد کرنا چاہتے ہیں؟

بیت السلام امدادی مرکز اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتا ہے۔

پہلی صورت

امدادی مرکز کے ممبر بن کر ایک خاندان کی کفالت اپنے ذمہ لیں۔

دوسری صورت

کسی سفید پوش خاندان کی امدادی مرکز میں رجسٹریشن کرا کر کفالت کریں۔

تیسری صورت

حسب استطاعت اپنی پسند کا سامان جمع کروائیں۔

ضرورت مند، سفید پوش خاندان اپنے لیے طے رقم سے امدادی مرکز میں موجود سامان میں سے کچھ بھی لے جاسکتا ہے۔

Phone: 021 111 298 111
Email: imdadi.markaz@baitussalam.org

ADDRESS
Baitussalam Imdadi Markaz, Mezzanine Floor, Chapal Arcade 3, Clifton Block 4, Near Dolmen mall, Karachi.

SCAN THE QR CODE FOR LOCATION

ماہ نامہ
فہمِ دین
کراچی

فروری 2020

فہم وفکر
مذہب کارڈ | مدیر کے قلم سے | 04

اصلاحی سلسلہ
فہم قرآن | شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم | 05
فہم حدیث | مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ | 06
آئینہ زندگی | حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ | 08

مضامین
حیا کا جنازہ | محمد اسامہ ضیا | 10
حضرت عامر بن عبد اللہ | حذیفہ رفیق | 12
مسائل پوچھیں اور سیکھیں | مفتی محمد توحید | 14
باورچی خانہ اور ہماری صحت | حکیم شمیم احمد | 16

خواتینِ اسلام
جواب دو | ثانیہ ساجد | 19
آنسوؤں اور آہوں کی رُوداد سُن | وزیرہ ظفر | 20
انتظار | امۃ اللہ | 22
ہم بقا کو بھول کر فنا میں الجھ گئے | صبا یونس قریشی | 24
محبت کا سوالی | ام محمد سلمان | 25
باپ کا بیٹی کے نام خط | محمد دانش | 27
ہجرت | بنت گوہر | 28
مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم | جنید حسن | 29

باغیچہ اطفال
بھالو کی نصیحت | بنت فاروق | 31
دینو کی بالی | ڈاکٹر الماس روحی | 32
فقیر سنار | ڈاکٹر صفیہ سلطانہ | 34
مور | فوزیہ خلیل | 36
اغوا کا جال | شائل کامران | 37
ننھے ادیب | 38
بچوں کے فن پارے | 39
انعامات ہی انعامات | 41

بزمِ ادب
ساقی نامہ | حفیظ جالندھری | 42
شمع ایمان | محمد علی جوہر | 43
گلدستہ | 44

اخبار السلام
قریہ بیت السلام | ادارہ | 46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر: محمد خرم شہزاد
نائب مدیر: قاری عبد الرحمن
ناظم: خالد عبد الرشید
کمپوزنگ: مظفر بھٹو
نظرثانی: طارق محمود
تزئین وآرائش: نوید فرید

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون
فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ فیس: 520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک: 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر
مطبع: واسا پرنٹر
مقام اشاعت: دفتر فہم دین

جب مسلمان خود توہین کرنے لگیں تو پھر کسی اور کا کیا ماتم کریں!!!

پاکستان اپنے استحکام کی جنگ لڑ رہا ہے۔۔۔ عدالتیں پاکستان کا مقدس ادارہ ہیں' افواجِ پاکستان ہمارے لیے بہت محترم ہیں' پارلیمنٹ کو احترام کی جگہ دی جاتی ہے۔ کیوں؟

اس لیے کہ انصاف' دفاع اور قانون سازی کسی ملک کی لازمی ضرورت ہوتی ہیں اور اگر ان اداروں کو متنازع بنا دیا جائے تو پھر پورا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا' چناں چہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ وہ نامناسب باتیں جو دیگر اداروں کے بارے میں کہی جائیں تو شاید کانوں پر جوں تک نہ رینگے' مگر جب' باتیں تو دور کی بات' کوئی ایک لفظ بھی ایسا کہہ دیا جائے' جس میں یہ شبہ ہو کہ یہ ہماری عدالتوں کی تحقیر کرنا چاہ رہا ہے تو فوراً توہینِ عدالت کا نوٹس جاری کر دیا جاتا ہے۔ وجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ اگر آج اس لفظ کو نہ روکا گیا تو کل یہ لفظ آگے بڑھ کر بات اور پھر بتنگڑ بن جائے گا اور قوم فروشوں کو بھانت بھانت کی بولیاں بولنے کا موقع مل جائے گا اور عدالتوں کا تقدس کرچی کرچی ہو کر رہ جائے گا۔

یہی حال ہمارے دفاعی ادارے پاک فوج کا ہے' دشمن اسے بارہا متنازع بنانے کی کوشش کر چکا ہے۔ اسے فوج اور عوام کا ایک پیج پر ہونا ایک آنکھ نہیں بھاتا' لیکن دشمن کی سازشوں کا ادراک رکھنے والے دانش ور اور پاکستان کے استحکام کو عزیز رکھنے والے اہلِ مدارس اور مغرب کی غلامی سے چھٹکارا چاہنے والے پاکستانی' پاک فوج کو نہ صرف اپنا ادارہ اور محفوظ مورچہ سمجھتے ہیں' بلکہ ہر وقت ان کے پشت پناہ بھی رہتے ہیں۔ خود پاک فوج بھی اس حقیقت کو سمجھتی ہے' چناں چہ بحیثیت ادارہ' جہاں کہیں اس کی تحقیر ہوتی نظر آتی ہے' وہاں ''توہین'' کی فرد جرم تو عائد نہیں کی جاتی' مگر اس سے کم جیسا بھی سلوک نہیں کیا جاتا۔ وجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ اگر آج اس ادارے کا احترام دِلوں سے نکل گیا تو اس کا لازمی نتیجہ صرف ادارے کی بے توقیری نہیں ہے' بلکہ سرحدوں کا بھی غیر محفوظ ہو جانا ہے۔

آپ پارلیمنٹ کو ہی دیکھ لیں' پاکستان کا سپریم ادارہ ہے' آپ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جس طرح اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اللہ اور رسول ﷺ رکھتے ہیں' اسی طرح پاکستان میں قرآن و سنت کی روشنی میں ''پارلیمنٹ'' قانون سازی کا حق رکھتی ہے' مگر جب وہاں کے منتخب عوامی نمائندوں نے ہی ادارے کے تقدس کو بالائے طاق رکھ کے گالم گلوچ کو شیوہ اور عوامی مفاد کی بجائے نفس پرستی اور کرپشن کو حرزِ جاں بنا لیا تو پھر پاکستان کا یہ مقدس ادارہ ایسا مچھلی بازار بنا کہ اس کے بارے میں ''جملے کسنے'' والوں پر ''توہین'' کا الزام لگانا تو دور کی بات' اب اس کی اپنی عزت بچانا بھی مشکل نظر آتی ہے۔

قارئین! جب مسلمان خود توہین کرنے لگیں تو پھر کسی اور کا کیا ماتم کریں!!!

اسلام تو دینِ خداوندی ہے' اس پر تو کیا آنچ آئے گی' مگر اس کے ماننے والے مسلمان اپنی بقا کی جنگ ضرور لڑ رہے ہیں۔ دشمن شاطر ہے' وہ اسلام پر تھوکنا چاہتا ہے' مگر وہ تھوک اس کے اپنے ہی منہ پر آتا ہے' پھر بوکھلا کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتا ہے۔ وہ اسلام کے مقدس شعبوں کی صرف تحقیر نہیں' بلکہ توہین کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے اظہارِ رائے کی آزادی سمجھا جائے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی' قانون ختمِ نبوت اور قرآن مجید اسلام کے ایسے مقدس شعبے ہیں کہ ان پر ذرا آنچ آنے سے کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ نبی کریم ﷺ کی ذات کو کھلواڑ بنانے سے قیامت تک کے لیے قرآن کا اُن کو ''مثالی نمونہ'' اور ''اسوہ حسنہ'' قرار دینا بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ ختمِ نبوت کے مضبوط بند میں نقب لگانے سے جھوٹے نبیوں کی پیداوار' یوں ہونے لگی' جیسے گندے پانی کے جوہڑ میں مینڈکوں کی افزائش ہوتی ہے اور قرآن مجید تو کتابِ ہدایت ہے' حق و باطل میں فرق کرنے والا آخری ترازو ہے۔

ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ اسلام کے ان انتہائی مقدس شعبوں کی حفاظت کے لیے آواز بلند کرنے کو مذہبی کارڈ کہہ دیا جاتا ہے۔

عدالت کے دفاع میں بولنا ''عدالت کارڈ'' نہیں اور اس کے خلاف ایک لفظ بولنے والا ''توہینِ عدالت'' کا مرتکب بن جاتا ہے اور نوٹس بھی جاری ہو جاتا ہے' اسی طرح پاکستان کے دفاعی ادارے کا دفاع کرنا "فوج" کارڈ نہیں' اور اس کے خلاف بولنے والے کی بھی زبان روکنے کی کوشش کی جاتی ہے' تو کیا اسلام پاکستان کا قومی' آئینی اور اکثریتی مذہب نہیں؟ پھر اس کے حق میں آواز اٹھانا ''مذہب کارڈ'' کیوں بن جاتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ ساری عمر ہمارے لیے تڑپتے رہے' اُن کے کلمے کا سہارا لے کر ہم نے یہ ملک حاصل کیا اور آج ان کی ناموس کے لیے قومی پلیٹ فارم پر بولنا ''مذہبی کارڈ'' بن گیا ہے۔ کیا مہنگائی کے ایک جھٹکے نے عوام کی دینی سمجھ بوجھ بھی چھین لی ہے؟

قارئین! جب من چاہے حقوق کی آواز اٹھانے والی این جی اوز ہیں' کیا ہم جنس پرستی ہے! کیا فحاشی اور عریانی ہے! کیا اقلیتوں کا نام لے کر بے جا من مانیاں ہیں! اور کوئی اسے ''سیکولرازم کارڈ'' نہیں کہتا' تو پھر پوچھیں اپنے دِل اور اپنے ضمیر سے کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ہی کو لاوارث اور متنازع کیوں بنایا جا رہا ہے اور کیوں قومی پلیٹ فارم پر انھیں ''مذہبی کارڈ'' کے نام پر نظر انداز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' کیوں؟؟؟ آخر کیوں؟؟؟ کیا ہم ''مذہبی کارڈ'' کی آڑ لے کر خود کسی توہین کا ارتکاب تو نہیں کر رہے' اگر ایسا ہے تو پھر ہم کسی اور کا کیا ماتم کریں۔ آپ اپنی رائے بھی ہمیں بھیج سکتے ہیں' اس لیے کہ آپ ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

مدیر کے قلم سے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ 200

ترجمہ...اے ایمان والو! صبر اختیار کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے جمے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ 200

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا 1

ترجمہ...اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی سے) ڈرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ 1

تشریح نمبر1: جب دنیا میں لوگ ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو بکثرت یہ کہتے ہیں کہ "خدا کے واسطے مجھے میرا حق دے دو۔" آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے حقوق کے لیے اللہ کا واسطہ دیتے ہو تو دوسروں کا حق ادا کرنے میں بھی اللہ سے ڈرو اور لوگوں کے حقوق پورے پورے ادا کرو۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا 2

ترجمہ...اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور اچھے مال کو خراب مال سے تبدیل نہ کرو اور ان (یتیموں) کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔ بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔ 2

تشریح نمبر2: کسی مرنے والے کے بچے جب یتیم ہو جاتے ہیں تو ان کے باپ کی میراث میں ان کا بھی حصہ ہوتا ہے، مگر ان کی کم عمری کی وجہ سے وہ مال ان کے سپرد نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کے سرپرست، مثلاً: چچا، بھائی وغیرہ اسے بچوں کے بالغ ہونے تک اپنے پاس امانت کے طور پر رکھتے ہیں۔ اس آیت میں ایسے سرپرستوں کو تین ہدایتیں دی گئی ہیں: ایک یہ کہ جب بچے بالغ اور سمجھ دار ہو جائیں تو ان کی امانت دیانت داری سے ان کے حوالے کر دو۔ دوسرا یہ کہ یہ بددیانتی نہ کرو کہ ان کو ان کے باپ کی طرف سے تو میراث میں اچھی قسم کا مال ملا تھا، مگر تم وہ مال خود رکھ کر گھٹیا قسم کی چیز اس کے بدلے میں دے دو اور تیسرا ایسا نہ کرو کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ گڈمڈ کر کے اس کا کچھ حصہ جان بوجھ کر یا بے پروائی سے خود استعمال کر بیٹھو۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا 3

ترجمہ...اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کی بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کر لو، جو تمہیں پسند آئیں۔ دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔ ہاں! اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہو گے۔ 3

تشریح نمبر3: صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس ہدایت کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ بعض اوقات ایک یتیم لڑکی اپنے چچا کے بیٹے کی سرپرستی میں ہوتی تھی، وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی اچھا خاصا ہوتا تھا۔ اس صورت میں اس کا چچازاد یہ چاہتا تھا کہ اس کے بالغ ہونے پر وہ خود اس سے نکاح کر لے، تاکہ اس کا مال اسی کے تصرّف میں رہے، لیکن نکاح میں وہ اس کو اتنا مہر نہیں دیتا تھا، جتنا اس جیسی لڑکی کو دینا چاہیے۔ دوسری طرف اگر لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس کے مال کی لالچ میں اس سے نکاح تو کر لیتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ اس کا مہر کم رکھتا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ایک محبوب بیوی جیسا سلوک بھی نہیں کرتا تھا۔ اس آیت نے ایسے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر تمہیں یتیم لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کی بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ان سے نکاح مت کرو، بلکہ دوسری عورتوں سے نکاح کرو، جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں۔

تشریح نمبر4: جاہلیت کے زمانے میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ ایک شخص بیک وقت دس دس، بیس بیس عورتوں کو نکاح میں رکھ لیتا تھا۔ اس آیت نے اس کی زیادہ سے زیادہ حد چار تک مقرر فرما دی اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ انسان تمام بیویوں کے درمیان برابری کا سلوک کرے اور اگر بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کو منع فرما دیا گیا ہے۔

آل عمران 190-199

قرآن فہمی

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

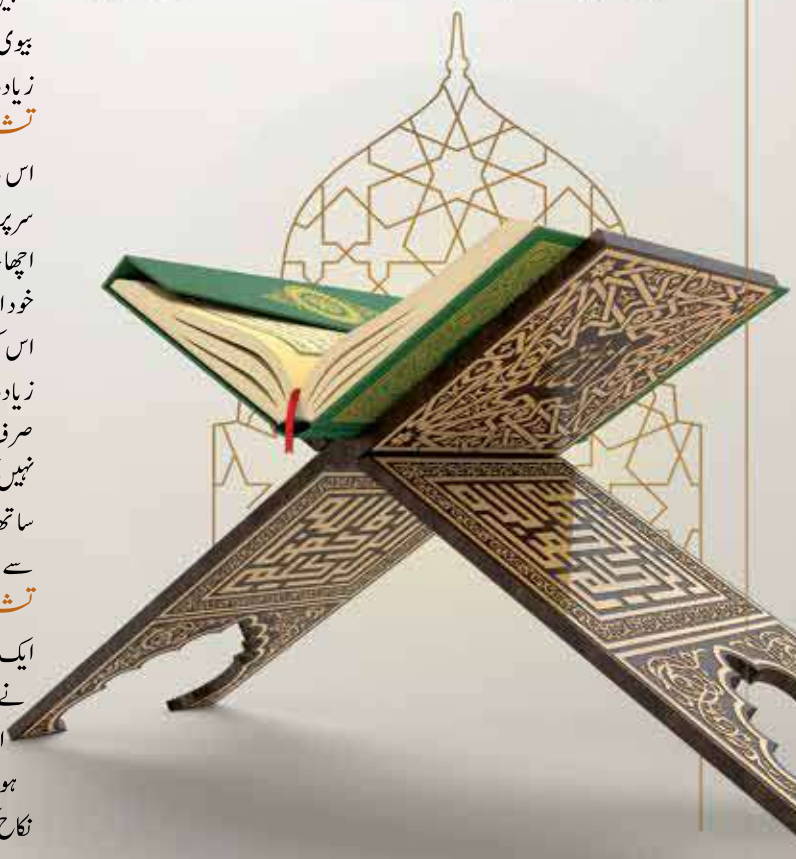

فہم حدیث

انتقام نہ لینا اور معاف کردینا

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔۔۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض وکینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح نمبر1: اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے، یہ سب وہ ہیں جو دلوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے آپس کے تعلّقات کو خراب کرتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا۔ یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو، اُس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو، اُس کے ہر کام میں اس کو بدنیّتی ہی بدنیّتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اس وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی اَن ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے، پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا ردِّ عمل ہوتا ہے اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں اور تعلّقات ہمیشہ کے لیے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بدگمانی کو ''اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ'' فرمایا ہے، یعنی سب سے جھوٹی بات۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے، لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بری بات نہیں سمجھا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے متنبّہ فرمایا ہے کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شناعت اور قباحت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:

''حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ'' (رواہ احمد و ابوداؤد عن ابی ھریرۃ)

پھر بدگمانی کے بعد اور جن جن بری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے، یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں میں عیبوں کا تجسّس کرنا، ایک دوسرے پر رِفعت حاصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر، اس پر حسد کرنا اور اُس کی خوش حالی کو ٹھنڈی آنکھ نہ دیکھ سکنا، وغیرہ وغیرہ، ان سب کا حال بھی یہی ہے کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور جس اخوت و یگانگت کو چاہتا ہے، اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے: ''اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو!'' اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بری عادتوں سے صاف رکھو گے، تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِاَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ۔ (رواہ ترمذی)

ترجمہ۔۔۔ حضرت واثلہ ابن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ) اللہ اس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اور تم کو مبتلا کر دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح نمبر2: جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور وہ ترقی کر کے دشمنی اور عداوت کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے، اس کو شماتت کہتے ہیں۔ حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ بسا اوقات دنیا ہی میں اس کی سزا اس طرح دے دیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے کر، اس پر خوش ہونے والے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔

Shangrila

THE FOOD EXPERTS!

INDULGE IN THE WORLD OF FLAVORS

Inspired from famous exotic sauces from all over the world, Shangrila new range of sauces will perfectly complement your favorite foods whether Chinese, Thai, Continental or Desi cuisines which will add the zest you need with all your mouthwatering cuisines. Made from the best & freshest ingredients, this new range of Shangrila exotic sauces are specifically crafted to meet ultimate craving whether you like it hot or mild, we have it all covered for you.

www.shangrila.com.pk | shangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

کشمیر پر ہماری آواز طاقت ور کیسے ہو؟

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

اللہ کے نبی ﷺ آج سے چودہ سو سال پہلے فرما گئے تھے کہ ''ایک وقت آئے گا کہ کفر مسلمانوں کے خلاف یوں یلغار کرتا نظر آئے گا، جیسے بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔'' حضراتِ صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ)! کیا اس وقت ہماری تعداد تھوڑی ہوگی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہ، نہ، تعداد تمہاری اتنی ہوگی کہ اتنی تعداد پہلے کبھی نہ تھی (اتنی بڑی تعداد ہوگی)، لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے اوپر بہنے والے خس و خاشاک کی طرح ہوگی۔ دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں وَہن پیدا ہو جائے گا۔'' پوچھا: ''یارسول اللہ! یہ وہن کیا چیز ہے؟'' پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: ''حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ۔۔۔ دنیا کی محبت اور موت کا خوف!''

یہ ہے قوموں کی بربادی کا سامان، پستی اور ذلّت کا نقشہ اور قومیں ان دو بیماریوں سے مرجایا کرتی ہیں۔ قوموں کی زندگی، قوموں کی طاقت اور اس کے اندر زندگی کی روح جو رسول اللہ ﷺ نے بتائی کہ ''ان کے قلوب دنیا کی محبت سے پاک ہوں اور ان کے دل موت کے خوف سے آزاد ہوں۔'' یہ اس امت کی زندگی ہے، طاقت ہے، اصل سرمایہ ہے اور اس امت کی موت دنیا کی محبت میں ہے اور موت کے خوف میں ہے۔ جب امّت میں یہ بیماریاں پیدا ہو جائیں تو پھر یہ امت! اُمتِ مسلمہ نہیں رہتی، پھر اس کے ہاں امتِ مسلمہ کا تصوّر ختم ہو جاتا ہے۔ بھئی! کسی جسم کے اعضا اپنے آپ کو اس وقت تک سنبھال سکتے ہیں، جب جسم میں زندگی ہو اور جب جسم میں یہ زندگی نہ رہے تو اعضا کو کوئی چیز اکٹھا نہیں رکھ سکتی، پھر یہ بکھر جایا کرتے ہیں، پھر امت کا تصور ختم ہو جایا کرتا ہے۔

مسجدِ اقصیٰ، بیت اللہ کے بعد اور مسجدِ نبوی کے بعد مسلمانوں کی سب سے مقدّس جگہ ہے۔ 1969ء میں وہاں کی ایک وزیر عورت نے اپنی تحریر میں لکھا کہ جب مسجد اقصیٰ جلائی گئی۔ ایک یہودی نے آگ لگا دی اور اس کا ایک بڑا حصہ جل گیا۔ یہاں تک کہ منبر جو صلاح الدین ایوبیؒ نے نصب کیا تھا، وہ بھی جل گیا تو مجھے رات بھر نیند نہیں آئی کہ شاید کوئی اسلامی ملک میرے ملک پر حملہ کر دے، لیکن مجھے صبح حیرت ہوئی کہ کہیں سے کوئی زور دار آواز نہیں اٹھی۔ کرتے کرتے یہ سلسلہ آگے چلا اور پچھلے سال کے اندر تو اسی متنازع جگہ کو دار الحکومت بنا دیا گیا۔ امّت کی طرف سے کہیں ایسی آواز نہیں آئی۔ ایک جوان مرد مسلمانوں کا حکمران، طیّب

اُردگان ‘اس کی آواز اٹھی اور زوردار آواز اٹھی ‘مگر اس کے علاوہ کوئی آواز نہیں اٹھی۔ شام پر دیکھ لیں کیا بیتی ؟ وہاں مسلمانوں پر کیا ہوا؟ عراق کے لاکھوں مسلمانوں کا خون کر دیا گیا۔ دُنیا بھر کے مسلمان کہاں تھے ؟ اور ہم کہاں تھے ؟ اسلامی دنیا کے حکمران کہاں تھے ؟ اور نائن الیون کے بعد تو امّتِ مسلمہ کا تصوّر ہی ختم کر دیا گیا ‘ کیوں کہ ہم نے مسلمانوں کو مارنے کے لیے اپنا کندھا پیش کر دیا۔ مارو ‘ ہمارے پڑوس کے مسلمانوں کو ! جتنا چاہو چن چن کر مارو ! ہم نے اپنا کندھا پیش کر دیا۔ اپنے ایئر پورٹ پیش کر دیے ‘ اپنے علاقے پیش کر دیے۔

ہم بسا اوقات چیختے ہیں ‘ چلّاتے ہیں کہ خلیجی ممالک نے آج ہمارے حق میں آواز نہیں اٹھائی۔ سالہا سال سے اسلامی دنیا کے حکم ران بشمول ہم لوگ کر کیا رہے ہیں ؟ ہم نے کسی کے لیے کیا کیا ہے ؟ بلکہ ہم مسلمان جب شام کے ان یتیم اور غریب اور پس ماندہ مسلمانوں کے لیے کچھ کرنے لگے تو کچھ سمجھ دار لوگ ہمیں بھی سمجھانے لگے کہ ”ارے میاں ! اُدھر جانے کی کیا ضرورت ہے ؟ اپنا ملک دیکھ لو !“ ان احمقوں کو اندازہ نہیں کہ امّتِ مسلمہ کا بھی کوئی حق ہے۔ بحیثیتِ مسلمان بھی ہماری کوئی ذمّے داری بنتی ہے۔ کوئی فرائض بنتے ہیں۔

نئی نسل کو اور ہمارے حکم رانوں کو یہ سبق پڑھا دیا گیا کہ ”میاں ! اپنی فکر کرو !“ وہ تصوّر ہی مٹ گیا کہ ہم مسلمان ہیں۔ یہ تصوّر تو تب تھا ‘ جب مسلمانی زندہ تھی جب مسلمان ہی پر مفاد پرستی کا فالج گر گیا ہے تو اس میں جان ہی کہاں رہی۔ جسم کے کسی حصّے پر فالج گر جائے تو جسم کے دوسرے حصّے کا وہ درد کہاں محسوس کرتا ہے ! کفّار نے تو باریاں لگا رکھی ہیں باریاں ! عراق کی باری آئی ‘ شام کی باری آئی ‘ یمن کی باری آئی ‘ برما کی باری آئی اور آج کشمیر کی باری ہے۔ باریاں لگا رکھی ہیں ‘ اس نکتے پہ سارے کفّار ایک ہیں۔

1971ء کا نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی بڑی اکثریت نے بھارت کے خلاف ووٹ دیا۔ روس نے ویٹو کیا تو اُس کو مزید مہلت مل گئی کہ وہ بنگلا دیش میں اپنا جھنڈا لہرا سکے۔ فوراً دنیا کی طاقتوں نے اسے ایک ملک تسلیم کر لیا۔ سلامتی کونسل نے مذمّت کی ‘ جنرل اسمبلی نے مذمت کی ‘ نتیجہ کیا نکلا ؟ اللہ پہ بھروسا کرنا ہوگا ‘ قوتِ بازو پیدا کرنی ہوگی ‘ قرآن سے راہ نمائی لینی ہوگی ‘ اپنی قوم میں زندگی پیدا کرنی ہوگی ‘ اگر آج ہمارے برسرِ اقتدار طبقے کو عقل آجائے اور قوم کے نوجوانوں کو فوجی تربیت کے لیے کھڑا کر دیں ‘ پھر دیکھیے گا کہ ساری دنیا کیسے سنتی ہے ! لیکن ان پہ خوف طاری ہے کہ کل ہمارا کیا ہوگا ؟ اقبالؒ جنہوں نے اس ملک کا تصوّر پیش کیا ‘ فرمایا کرتے تھے :

آ تجھ کو بتاؤں تقدیرِ اُمم کیا ہے ؟
شمشیر و سناں اوّل ‘ طاؤس و رباب آخر !

جب اس قوم کے نوجوانوں کے ہاتھوں میں گٹار ہوں گے ‘ آلاتِ موسیقی ہوں گے تو اس قوم کو پستی اور ذلّت میں جانے سے کوئی نہیں بچا سکتا اور جب اس قوم کے نوجوانوں کے ہاتھوں میں تلوار اور نیزے ہوں گے اپنی ملّت کے دِفاع کے لیے ‘ اپنی قوم کی حفاظت کے لیے ‘ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی حفاظت کے لیے تو اقبال سالہا سال پہلے کہہ گئے کہ یہ اس قوم کا ”عروج“ ہے۔

ایک اسلام کی روح ہی ہے جو اس قوم کے اندر قوّت اور طاقت بھر سکتی ہے لیکن مغرب تو فیصلہ یہ کر چکا ہے کہ اس معاشرے سے اسلام کا بیج مارنا ہے ‘ اسلامی دنیا سے اسلام کی روح ختم کرنی ہے ‘ یہ تیاری ہو رہی ہے۔

قرآن نے مسلمانوں سے کہا ہے : وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ مادی لحاظ سے بھی اپنے آپ کو تیار کرو ! اگر پوری قوم کے نوجوانوں کو ذہنی ‘ فکری سوچ کے ساتھ ساتھ ان کو فوجی تربیت بھی دی جائے تو دیکھیے کیا فضا بنتی ہے پوری دنیا میں ‘ اس لیے کہ اللہ نے مسلمانوں کی دہشت رکھی ہے ‘ تبھی تو اللہ نے کہا ہے کہ ایسی تیاری کرو ‘ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ اللہ کے دشمنوں پر تمہاری دہشت بیٹھ جائے۔ قرآن ہے ! دسواں پارہ ہے ‘ سورۂ انفال ہے ‘ پڑھو مسلمانو ! اللہ مسلمانوں کو کیسا دیکھنا چاہتا ہے۔

عجیب دنیا کا تماشا ہے ‘ جو مسلمان آخرت پر ایمان رکھے ‘ آخرت کی زندگی سے محبت کرے ‘ وہی آج بزدل بنا ہوا ہے ‘ اسی کی بیٹیاں ‘ بہنیں بے آبرو ہو رہی ہیں ‘ اسی کے بچے ذبح ہو رہے ہیں اور اگر اسلامی دنیا میں کوئی مسلمان سر پھرا یہ بات کرتا بھی ہے تو برسرِ اقتدار طبقہ بجائے اس کے کہ کچھ راہ نمائی لے ‘ سب سے پہلے انھیں نشانہ بناتا ہے۔

سن 1965ء میں ہمیں رجوع الی اللہ نصیب تھا۔ پوری قوم اللہ کی طرف متوجہ تھی اور اللہ کی مدد و نصرت مسلمانوں نے دیکھی تھی ‘ لیکن پھر ہم سو گئے۔ ہم لسانیت ‘ عصبیت کا شکار ہو گئے ‘ صرف 6 سال بعد ہی دنیا نے ہماری شکست کا نقشہ بھی دیکھ لیا۔ قومیں سبق لیا کرتی ہیں حالات سے کہ ہماری اس شکست کی وجہ کیا بنی ہے ؟ سب سے بڑی وجہ بے دینی اور اسلام کی روح سے خالی ہونا ہے۔ رنگ ‘ نسل ‘ وطن ‘ علاقے عصبیت جڑیں پکڑ رہی تھیں۔ ایک طرف تو وقت کا تقاضا ہے کہ اسلامی روح پوری قوم کے اندر پیدا کی جائے ‘ اسلامی فضا بنائی جائے اور دوسرا سبق اس قوم کے نوجوانوں اور رضاکاروں کو فوجی تربیت دی جائے ‘ مگر نئی نسل کس رخ پہ جا رہی ہے ؟ کیا رُخ انھیں دیا جا رہا ہے ؟ ایسی قومیں دشمنوں سے مقابلہ کیا کرتی ہیں۔ دشمن جانتا ہے کہ اسلام کی روح سے یہ خالی ہیں اور مادی نقشے میں ہم ان سے آگے ہیں تو پھر ان سے ڈرنے کی ضرورت کیا ہے ؟ اور جن سے وہ ڈرے ہیں ‘ ان کے ساتھ مذاکرات کے وقت قدموں پہ آ گئے ‘ جن سے انھیں خوف ہے نا اور جنہیں انھوں نے پکڑا ‘ جیلوں میں ڈالا ‘ پھر رہا کیا ‘ آج ان کے قدموں میں مذاکرات کے لیے بیٹھے ہیں ‘ کیا چیز ہے آخر ؟ کیا چیز ہے ؟ شجاعت ہے ‘ بہادری ہے ! دنیا طاقت کی زبان سمجھتی ہے میاں ! کم زوروں کے چیخنے چلّانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کو تو اللہ نے ایسی طاقت دی ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ اپنے اندر قوّت اور طاقت اکٹھی کرو۔ تمہارا ہر نوجوان رضاکار بن کے اپنی افواج کے ساتھ ‘ اپنی سرحدوں ‘ اپنے ملک و ملّت کے تحفّظ کے لیے کھڑا ہو۔ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ اس سے اللہ کے دشمنوں پہ دہشت پیدا ہو جائے گی۔ وہ دہشت زدہ ہو جائیں گے ‘ لیکن کوئی لائحہ عمل ہو ! اور مسلمانوں کو اللہ کے نبی ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ تمہاری زندگی کی یہی ہے کہ آخرت کا شوق ہو ‘ موت کے خوف سے تمہارا دل آزاد ہو ‘ یہ تمہاری زندگی ہے اور اسی کی فضا بنانے کی ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت ہم مسلمانوں کو اپنے قرآن سے اور اپنے مولیٰ سے راہ نمائی لینے کی توفیق نصیب فرمائے اور قدم قدم پہ ملّتِ اسلامیہ اور وطنِ عزیز کی حفاظت فرمائے اور مسلمانوں کو اور اس ملک کے حکم رانوں کو صحیح لائحہ عمل اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین !

حیا کا جنازہ

اسامہ ضیا

چھٹی کا دن تھا۔ دل پر بوجھ سا بھی تھا۔ پورا ہفتہ پڑھائی میں مصروف رہنے کی وجہ سے کچھ تھکن سی تھی، کچھ ضروری سامان لینے کے لیے بازار جانا تھا، ساتھ ہی سیر و تفریح کا بھی ارادہ کر لیا۔ چوراہے سے گزرتے ہوئے اچانک لوگوں کی بھیڑ پر نظریں پڑیں تو قدرے آہستہ ہو گیا اور جب قریب آیا تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، بڑھتے قدموں کی گرفت زمین پر مضبوط ہو گئی، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

بیوی ایک ہاتھ سے اپنے شوہر کا گریبان پکڑے ہے اور دوسرا موسلا دھار بارش کی مانند اس کے گال پر پیوست ہوتا چلا جا رہا ہے اور عوام حلقہ بنائے یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ یہ وہی عوام ہیں جنھوں نے مغربی تہذیب کا نعرہ لگایا کہ عورتوں کو ان کے حقوق حاصل نہیں، لہٰذا انہیں ہمارے اسلامی ملک میں مغرب کے بیان کردہ حقوق دیے جائیں۔ پھر کیا تھا، مغربی تہذیب کیا آئی، حیا کا تو جنازہ ہی نکل گیا۔

اسی حیا سے تو باپ اور اولاد میں ولدیت کا بہترین رشتہ قائم ہوتا ہے ورنہ ابھی چند دن پہلے کی بات ہے میں نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اپنی جگہ بیٹھا تھا کہ ایک بوڑھا شخص مسجد کے دروازے پر آ کھڑا ہوا اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی، شکل سے بھلے خاندان کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ آیا اور سیدھا منبر کے قریب امام صاحب کے سامنے جا بیٹھا اور زار و قطار رونے لگا۔

ارے بابا جی! قابو پائیے۔ روئیے مت! امام صاحب نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو اسے دل کا دکھ بیان کرنے کا موقع ملا اور اس نے اپنے ہاتھ واپس کھینچ لیے اور بولا امام صاحب میں جناح سوسائٹی کی گلی نمبر چار سے آیا ہوں۔ میں مالدار آدمی ہوں۔ کئی کمپنیوں کا مالک ہوں۔ میرے گھر میں میں اور میری بیٹی رہتے ہیں، مگر میری بیٹی مجھے اپنے ساتھ رہنے نہیں دیتی، کہتی ہے: میں دن بھر کی تھکی ہوئی آفس سے لوٹتی ہوں تو مجھے آرام کی ضرورت ہوتی ہے اور تو ساری رات کھانستا ہے، جس سے میری نیند ڈسٹرب ہوتی ہے اس نے مجھے نوکروں کی کوٹھڑی میں بھیج دیا ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ اس لیے کہ حیا ختم ہو چکی اور مغرب کی نقل نے ہماری زندگیاں تباہ کر ڈالیں۔

ایک شخص اپنی فیملی سمیت امریکا شفٹ ہوا۔ وہاں ان کو لکھایا، پڑھایا، بڑا کیا اور زندگی بسر کرنے لگا۔ اس کی ایک بیٹی تھی، جو جوان تھی اور رات کو دیر سے گھر آتی تھی، جس پر باپ ناراض ہوتا تھا۔ ایک دِن بیٹی اپنے معمول کے مطابق رات دیر گئے گھر واپس آئی تو باپ نے بیٹی سے کہا: بیٹی! مجھے تمہارا دیر سے آنا اچھا نہیں لگتا۔ بس اتنا کہنے کی دیر تھی کہ بیٹی نے پولیس کو فون کیا اور پولیس باپ کو گرفتار کرنے کے لیے گھر پہنچ گئی۔ پھر کیا تھا کہ باپ بے چارا بیٹی کے قدموں میں پڑا، معافی مانگے جا رہا تھا، مگر بیٹی معاف کرنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ آخر ایسی نوبت کیوں پیش آئی؟ اس لیے کہ بچوں کی پرورش مغربی ثقافت و تہذیب کے مطابق کرتے کرتے گھر سے حیا کا جنازہ اٹھ گیا۔

اسلام کتنا پیارا دین ہے، جس میں ماں باپ کے حقوق ہیں، پڑوسی کے حقوق ہیں، میاں بیوی کے آپس میں حقوق ہیں یہ سب کچھ ہمیں پیارے آقا ﷺ نے دیا اور آپ ہی کا فرمان ہے: اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ تو ہم نے اس فرمان کو چھوڑ کر مغربی تہذیب پر عمل پیرا ہوئے، جس کی بنا پر اپنے ہی ہاتھوں حیا کا خون کر دیا اور اگر اب بھی نہ سمجھے تو بچی کھچی حیا بھی دم توڑ جائے گی اور ایسا طوفانِ بد تمیزی اٹھے گا کہ اس حیا کے جنازے کو کندھا دینے اور دفن کرنے کا بھی موقع نہ ملے گا۔ کاش ہم سمجھیں!!!

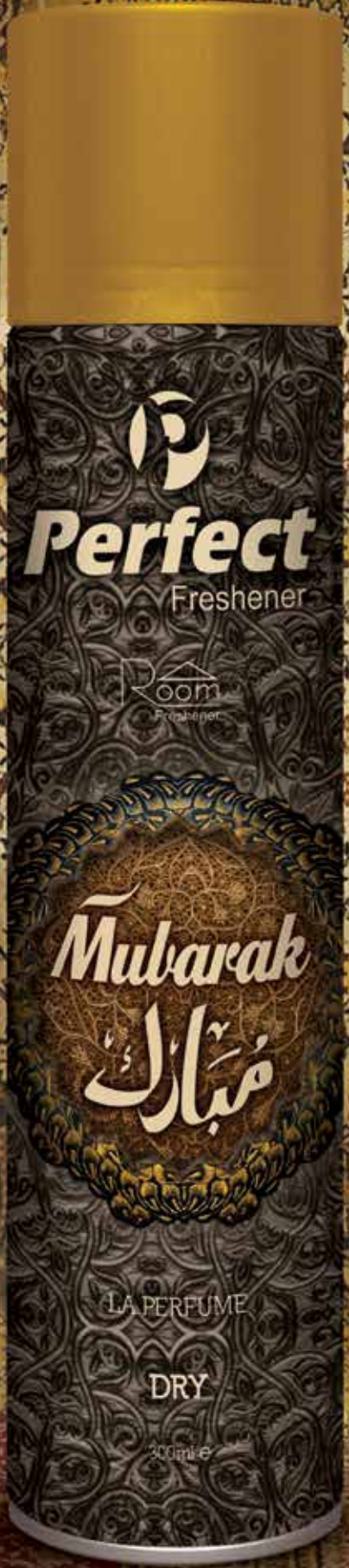

Perfect®
Freshener
رہو خوشبوؤں میں
Mubarak
Just Feels Right
Perfect
Freshener
Room
Freshener
Mubarak
مُبارک
LA PERFUME
DRY
300ml e
perfectairfreshener PFreshener
www.se.com.pk
https://www.daraz.pk/shop/house-of-perfect
Imported & Marketed by
Shakeel Enterprises
www.se.com.pk

حضرت عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

حذیفہ رفیق

اخلاص کا پیکر

مدائن کے علاقے میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوئی، دشمن بہت سارا قیمتی ساز وسامان چھوڑ کر بھاگ نکلا، جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا، جس شخص کو جو بھی مال ملتا وہ لاکر مرکزی جگہ پر سپہ سالار کے پاس جمع کروا دیتا۔

ایک شخص آیا، اس نے کندھے پر بڑا سا تھیلا اٹھایا ہوا تھا، جو سونے، جواہرات سے بھرا ہوا تھا، مال غنیمت جمع کرنے والوں میں سے ایک نے کہا: ''اتنا زیادہ مال تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا، یہ تو اب تک جتنا جمع ہوا، اس سب سے بھی بہت زیادہ ہے!'' دوسرے نے پوچھا: ''کیا تم نے اس میں سے کچھ لیا ہے؟'' اس نے کہا: ''اللہ کی قسم اگر مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو میں اس تھیلے کو ہاتھ بھی نہ لگاتا یعنی مال غنیمت جمع کرنا بھی ایک حکم ہے، اس لیے میں وہاں سے اٹھا کر یہاں تک لایا ہوں، ورنہ میں اس کو دیکھتا بھی نہ۔ حاضرین یہ جواب سن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، چناں چہ انہوں نے پوچھا: ''آپ کون ہیں؟'' کہنے لگا: ''نہیں! میں تمہیں نہ اپنا نام بتاؤں گا نہ نسب بتاؤں گا، تاکہ تم میری تعریف اور تذکرہ کرکے میرا اجر برباد نہ کردو، بلکہ میں تو صرف اللہ کی حمد وثنا کروں گا اور اسی کے اجر وثواب پر راضی رہوں گا۔'' جب وہ جانے کے لیے پلٹا تو انہوں نے ایک شخص کو کہا اس کا پیچھا کرو، اور اس کے ٹھکانے پر پہنچ کر آس پاس کے لوگوں سے معلوم کرو: یہ کون شخص ہے؟ جب کھوج لگایا گیا تو پتا چلا کہ وہ عامر بن عبد قیس (عبداللہ) ہیں۔

نسب، خاندان اور دیگر تعارف

نام تو ان کا عامر بن عبداللہ ہے، لیکن ان کو ابن عبد قیس بھی کہا جاتا ہے۔ ابو عمرو یا ابو عبداللہ کنیت تھی، بصرہ کے قبیلے بنو تمیم کی ایک شاخ عنبر سے ان کا تعلق تھا۔

ویسے تو تابعین کی پوری جماعت ہی عبادت گزار ہے، اور تمام تابعین ہی میں عبادت کا غیر معمولی شوق وشغف تھا، لیکن حضرت عامر بن عبداللہ کا ذوقِ عبادت کچھ عجیب ہی تھا، ابو نعیم کہتے ہیں: بصرہ کے تابعین میں سے یہ پہلے شخص ہیں جو عبادت میں مشہور تھے۔

کعب احبار بھی ایک تابعی ہیں، پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے، صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا اور صحابہ نے بھی ان سے روایات نقل کیں، انہوں نے حضرت عامرؒ کو عبادت کرتا ہوا دیکھا تو پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ عامر ہیں!، کہنے لگے: ''یہ تو اس امت کا راہب ہے۔''

عبادت

حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذمے روزانہ کی ایک ہزار رکعات لازم کی ہوئی تھیں، نوافل پڑھنے کی وجہ سے ان کی پنڈلیاں پھول چکی تھیں، اپنی ٹانگوں کو دیکھ کر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے: ''اے نفس! تجھے اسی (عبادت) کا حکم ہے، اور اسی لیے تو پیدا کیا گیا ہے، قریب ہے کہ یہ مشقت ختم ہو جائے۔

ان سے کسی نے پوچھا کہ: آپ کو نماز میں کوئی خیال نہیں آتا؟ فرمایا: بالکل آتا ہے۔ اس نے پوچھا: کیا خیال آتا ہے؟ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے کا اور بارگاہ خداوندی میں جواب دہی کا خیال آتا ہے۔''

بصرہ میں شدید گرمی تھی، مکان کے صحن میں خودرو جھاڑیاں اگ جاتی تھیں، اس میں سے بعض دفعہ سانپ نکل آتا اور جائے نماز سے لپٹ جاتا، عبداللہ بن عامر سجدے میں جاتے تو ہاتھ سے جھٹک دیتے اور سانپ چلا جاتا، کسی نے ان کو دیکھا تو کہا: ''کیا آپ کو ڈر نہیں لگتا، یہ تو موت ہے!'' فرمانے لگے: اللہ کی قسم، اگر مجھے اس سے گھن نہ آتی تو میں اس پر سجدہ بھی کرلیتا، مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ وہ میرے دل کو اپنے سوا کسی اور سے ڈرتا ہوا دیکھے۔''

سفر کی تین شرطیں

جب جہاد کے سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر کے شروع میں ہی تین شرطوں کا معاہدہ کرتے: ایک یہ کہ پورے سفر میں خدمت کی ذمّے داری صرف میری ہوگی دوسری بات پورے سفر میں صرف میں مؤذن ہوں گا، اور تیسری یہ کہ میں اپنی استطاعت کے بقدر ساتھیوں پر خرچ کروں گا، کوئی مجھے نہیں روکے گا۔

معمولاتِ زندگی

حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت کا اندازہ ان کے روزمرہ کے معمول سے لگایا جاسکتا ہے، فجر کی نماز کے بعد مسجد کے کونے میں آجاتے، اور فرماتے: ''کوئی قرآن پڑھنا چاہتا ہے؟'' لوگ جمع ہو جاتے، وہ ان کو طلوع آفتاب تک قرآن پڑھاتے، اس کے بعد جب سورج طلوع ہو جاتا اور مکروہ وقت ختم ہو جاتا، تو نوافل کی نیت باندھ لیتے، اور زوال تک نوافل میں مشغول رہتے، اس کے بعد ظہر کی نماز ادا فرماتے، اور پھر نوافل میں مشغول ہو جاتے، اس کے بعد عصر کی نماز ادا فرماتے اور پھر مسجد کے ایک کونے میں آجاتے، اور فرماتے: ''کوئی قرآن پڑھنا چاہتا ہے؟'' پھر کچھ لوگ جمع ہو جاتے، غروب آفتاب تک ان کو قرآن پڑھاتے۔ مغرب کے بعد نوافل میں مشغول ہو جاتے

اور عشاء تک نوافل پڑھتے۔ عشاء کے بعد اپنے گھر تشریف لاتے سوکھی روٹی جو پانی میں ڈبوئی ہوئی ہوتی وہ تناول فرماتے اور پھر آرام فرماتے۔ آدھی رات کے بعد بیدار ہو جاتے اور فجر تک تہجد، دعا اور ذکر میں مشغول رہتے۔

کسی نے ان سے کہا: ”جنت تو اس سے کم مشقت پر بھی مل جائے گی جتنی آپ برداشت کر رہے ہیں، اور جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے تھوڑی سی محنت بھی کافی ہے!!“ فرمانے لگے:

”خدا کی قسم میں محنت کروں گا، اور خدا کی قسم مشقت اٹھاتا رہوں گا، اس کے بعد اگر نجات پا گیا تو یہ محض اللہ کی رحمت ہے، اور اگر جہنم میں ڈال دیا گیا تو یہ میری کوتاہی ہے!“

جو اللہ سے ڈرتا ہے۔۔

ایک قافلہ گزر رہا تھا، پتا چلا آگے شیر نے راستہ روکا ہوا ہے، سب لوگ سہم گئے، کسی میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ تھی، عامر بن عبداللہ بھی اپنی سواری پر وہاں سے گزرے، تو لوگوں نے آگے جانے سے منع کیا اور بتایا کہ: آگے شیر ہے! فرمانے لگے: ”یہ تو اللہ کی ایک مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ جس پر چاہتے ہیں اس کو مسلط فرماتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں اس کو بچاتے ہیں۔“

حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ پیدل چل کر شیر تک گئے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کو کانوں سے پکڑا اور اس کو راستے کے کنارے کر دیا، اس کے بعد قافلہ گزر گیا، اور پھر فرمانے لگے: ”مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ وہ میرے دل میں اپنی ذات کے علاوہ کسی اور چیز کا خوف دیکھے۔“

اور فرماتے تھے: ”جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس سے ڈرا دیتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خوف اس کے دل میں بھر دیتے ہیں۔

ایک آزمائش

حضرت عبداللہ بن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ حکومت کا اہل کار ایک ذمی شخص کو کھینچ کر اپنے ساتھ لے جا رہا تھا (ذمی ایسے کافر کو کہتے ہیں جو مسلمان حکومت میں رہ رہا ہو، اس کے ذمے شریعت کے مطابق جزیہ کی ادائیگی ہوتی ہے، جزیہ اس سالانہ ٹیکس کو کہتے ہیں جو اسلامی حکومت میں رہنے والے کافروں سے لیا جاتا ہے۔) حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ کا وہاں سے گزر ہوا، انہوں نے ذمی شخص سے پوچھا: کیا تم نے جزیہ ادا کیا ہے؟

اس نے کہا: بالکل!

انہوں نے پوچھا کہ: پھر یہ کیا کر رہا ہے؟

اس نے کہا: یہ مجھ سے اپنا کوئی کام لینا چاہتا ہے؟

انہوں نے پوچھا: اور تم نہیں کرنا چاہتے ہو؟

اس نے کہا: نہیں! میرے چھوٹے بچے ہیں، میں ان کی خاطر روزی کمانے جانا چاہتا ہوں!

اس پر حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سرکاری اہلکار سے آزاد کروایا اور بھیج دیا، یہ معاملہ اس حد تک بڑھا کہ بالآخر حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ کو جلاوطن کر کے شام بھیج دیا گیا۔ شام کے گورنر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے ان کا بہت اکرام فرمایا، ان کے لیے ایک باندی بھیجی جو ان کی خدمت کیا کرے، لیکن وہ صبح گھر سے نکل جاتے اور رات کو واپس آتے، اور سوکھی روٹی کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ حالت لکھ کر بھیجی تو انہوں نے فرمایا کہ: ان کو بیت المال سے دس غلام دو، اور دس عمدہ سواریاں دو، اور اپنے دربار میں ان کی خصوصی نشست رکھو، سب سے پہلے یہ آئیں اور آخر تک تمہارے ساتھ رہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی کیا، جب حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا گیا تو کہنے لگے: ”مجھ سے اپنا شیطان نہیں سنبھالا جاتا، میں دس غلاموں کا کیا کروں گا، میرا ایک خچر ہے مجھے اس کے بارے میں خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر پوچھ لیا کہ ضرورت سے زیادہ اس کو رکھا یا استعمال کیا تو میں کیا جواب دوں گا، اس کے علاوہ دربار میں حاضری کی نہ مجھے کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی حاجت!“

صرف ایک غم۔۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (جب خلیفہ بن گئے تو انہوں) نے ایک گورنر کو خط لکھا کہ: عبداللہ بن عامر کو اپنے پاس بلایا کرو اور ان کا اکرام اور تعظیم کیا کرو، اور ان سے پوچھو کہ کسی بھی عورت سے نکاح کرنا چاہیں تو بتا دیں، اس کو مہر بیت المال سے ادا کیا جائے گا اور سارے انتظامات بھی بیت المال سے ہوں گے۔

جب ان کو یہ باتیں کہی گئیں تو فرمانے لگے: گورنر کی ملاقات کے وہ لوگ زیادہ حق دار ہیں جو کافی عرصے سے ملنا چاہ رہے ہیں لیکن انہیں اجازت نہیں مل رہی، اور جہاں تک بات ہے نکاح کی تو میں نکاح کا پیغام دے چکا ہے، پوچھا گیا: کس سے؟ فرمایا: ”اس سے جو ایک کھجور یا آدھی کھجور کے صدقے پر بھی نکاح کر لیتی ہے!“

اس کے بعد اپنے پاس بیٹھنے والوں سے کہا: کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے دل میں گھر والوں کی اور مال کی فکر اور خیال نہ ہو، سب نے کہا: بالکل نہیں۔ پھر فرمانے لگے: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرے جسم سے تیر گزر جائیں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے میں ایسا ہوں، بلکہ اللہ کی قسم میں تو اپنا غم صرف غم ایک بناؤں گا!

یہ سارا قصہ سنا کر حسن بصریؒ فرمانے لگے: ”رب کعبہ کی قسم! عامر بن عبداللہ نے اپنا غم صرف ایک غم بنا کر دکھایا۔“

آخری لمحات اور بعد از وفات

قتادہ فرماتے ہیں: حضرت عامر بن عبداللہؒ موت کے قریب جب نزع کی حالت میں تھے تو رونے لگے، کسی نے پوچھا: آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمانے لگے: میں موت کے خوف سے نہیں رو رہا ہوں، اور نہ ہی مجھے دنیا کی حرص ہے جس کے چھوٹنے پر رو رہا ہوں، میں تو شدید گرمیوں میں روزے رکھنے اور راتوں میں اللہ کے آگے (نوافل میں) کھڑے ہونے کے چھوٹنے پر رو رہا ہوں۔“

بیت المقدس کے قریب ان کا انتقال ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے جہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بھی قبر ہے۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ: ایک شخص آواز لگا رہا ہے: ''لوگوں کو بتا دو کہ عبداللہ بن عامر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملیں گے کہ ان کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوا ہو گا۔''

ایک وضاحت

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان حضرات اکابر کے حالات میں کوئی ایسی چیز ملتی ہے جس کا شریعت نے پابند نہیں بنایا اور کرنے کا لازمی حکم نہیں دیا، اور ان حضرات نے اپنے اختیار سے اس طرز اور معمول کو اپنایا ہے تو اس سلسلے میں وہ عمل نہ لازمی اور ضروری ہے اور نہ ہی وہ سنت ہے، لیکن ان کا یہ عمل بھی خلاف سنت نہیں۔

جیسے عامر بن عبداللہؒ کا یہ مذکورہ بالا معمول جو ہے یہ نہ تو سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی شریعت نے اس کا لازمی حکم دیا ہے، بلکہ یہ اور ان جیسے دیگر اکابر، تابعین، محدثین اور علماء کرام کو جب نماز میں مزہ آنے لگا تو انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اسی عبادت کے لئے وقف کر دیا، اور ہم اگرچہ بالکل ان جیسا عمل اور طرز زندگی تو اختیار نہیں کر سکتے ہیں اور کرنا بھی نہیں چاہیئے، لیکن کم از کم ان کے حالات میں ہمارے لیے اتنا سبق ضرور ہے کہ یہ حضرات اپنا دن رات عبادت میں لگا رہے ہیں اور ہم دن میں مخصوص نوافل (اشراق، چاشت اور اوابین) اور رات میں دو یا چار رکعات تہجد کا ہی اہتمام کر لیں، تاکہ کچھ نہ کچھ تو اللہ کا قرب مل جائے۔ اور جہاں تک بات ہے ان حضرات کی تو ان کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا بہت اونچا مقام حاصل تھا، اور عبادت کے میدان میں ان کی استعداد بہت زیادہ تھی، اس لئے یہ عبادات ان کے لئے ترقی کا درجہ تھیں لیکن کوئی عام آدمی فوراً ان کے درجے کی عبادت کرنے کی کوشش کرے گا تو شاید نقصان اٹھائے گا۔

موجودہ دور میں غلام اور لونڈی کا تصور

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام ﷺ کے مالِ غنیمت میں لونڈیاں بھی آتی تھیں اور وہ لونڈی سے صحبت بھی کرتے تھے اور شریعت نے بھی لونڈی رکھنے کی اجازت دی ہے، لہٰذا آج کے دور میں اگر کوئی شخص عورت کو خرید کر لونڈی بنائے اور خریدنے کا مقصد جنسی تسکین کا حصول بھی ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے نیز یہ بیان کر دیجئے بھی کہ ابتدائے اسلام میں لوگ لونڈیوں کی خرید و فروخت کس لیے کرتے تھے؟ اور موجودہ زمانے میں لونڈی بنانے کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیوں کہ سورہ المومنون کی ابتدائی آیات میں لونڈی کا بھی ذکر ہے اور قرآن کا حکم اٹل ہوتا ہے، لہٰذا وضاحت سے تحریر کیجیے، تاکہ ذہن ہر قسم کے شبہات سے پاک ہو جائے۔

جواب: جواب سے پہلے بطورِ تمہید چند باتیں قابلِ وضاحت ہیں:

(1) غلام و باندی کا دستور قدیم زمانے سے چلا آ رہا تھا اور ہر قوم میں یہ عادت پائی جاتی تھی، خواہ عیسائی ہوں یا یہودی، ہنود ہوں یا دیگر اقوام، اسی طرح عربوں میں یہ دستور کثرت سے رائج تھا، یہاں تک کہ اسی لالچ میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر چڑھائی کر دیتا، تاکہ غالب آ کر مغلوب قبیلے کے اسیروں کو غلام اور باندی بنا سکے۔ نبی

کریم ﷺ کی بعثت سے قبل غلام یا باندی بنانے کے مختلف طریقے لوگوں میں رائج تھے:

اول: جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا طریقہ

دوم: لوگ فقر و فاقہ کے باعث یا قرض کے دباؤ میں آ کر اپنے بچوں یا خود اپنے آپ کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتے اور وہ ان کو اپنا غلام یا لونڈی بنا لیتے۔

سوم: کسی جرم کی پاداش یا قمار بازی (جُوا) میں ہارے جانے کی صورت میں لوگ غلام بنا لیے جاتے تھے۔

چہارم: یوں بھی کسی کو اغوا کر کے لے آتے اور زبردستی غلام یا باندی بنا لیتے۔

اسلام نے آ کر غلامی کی ان تمام صورتوں کو سخت ناجائز اور مُوجبِ عذابِ الٰہی قرار دیا اور صرف ایک صورت کو باقی رکھا، یعنی وہ لوگ جو جنگ میں گرفتار کیے جائیں، امام کو اختیار ہے کہ اگر مصلحت و سیاست کے اعتبار سے مناسب سمجھے تو ان کفار قیدیوں کو غلام/باندی بنا لے، چوں کہ کفار مسلمان قیدیوں کو غلام اور باندی بناتے تھے، اس لیے مسلمانوں کے لیے مخصوص حالات میں اس کی اجازت دی گئی۔ اسی لیے قرآن کریم میں کہیں بھی غلام یا باندی بنانے کا ذکر موجود نہیں، بلکہ بعض مواقع پر ان کے احکام کا ذکر ہے اور متعدد مواقع پر ان کو آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چناں چہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو جہنم کی آگ سے آزاد فرمائیں گے، نیز کفارات (قتلِ خطا، کفارہ ظہار، کفارہ یمین، کفارہ صوم، کفارہ گناہ وغیرہ) میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام ﷺ نے حضور ﷺ کے ارشادات پر لبیک کہتے ہوئے بے شمار غلام و باندیوں کو آزاد فرمایا جن کی تعداد اناسی ہزار دو سو اڑسٹھ (86293) لکھی گئی ہے۔

(1) جب مسلمان اور کفار کے درمیان کسی معاملے میں کوئی معاہدہ ہوتا ہے تو جب تک کفار خود اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے معاہدے کو نہ توڑیں تب تک مسلمانوں کے لیے اس معاہدے کو توڑنا درست نہیں۔ ہاں اگر کفار خود اس معاہدے کی خلاف ورزی کریں تو مسلمان بھی معاہدہ ختم کر سکتے ہیں جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ مکہ کے ساتھ حضور ﷺ نے معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدے میں یہ بات بھی تھی کہ اگر مکہ سے کوئی کافر مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں جا کر پناہ لینا چاہے گا تو اس کو پناہ دینے کی اجازت نہیں ہو گی، بلکہ کفارِ مکہ کے حوالے کیا جائے گا اور اگر مدینہ سے کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ میں پناہ لینا چاہے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا، بلکہ پناہ دی جائے گی۔ علاوہ ازیں معاہدے میں ایسی باتیں تھیں جو بظاہر مسلمانوں کے لیے نقصان دہ تھیں اس کے باوجود حضور ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ نے اس معاہدے پر پوری طرح عمل کیا، حتی کہ کفار نے خود اس معاہدے کو ختم کرنے کی درخواست کی۔ علاوہ ازیں متعدد معاہدے کفار کے ساتھ ہوئے اور حضور ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت دی۔

(2) کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا اور غلام یا باندی بنانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، شریعت میں قطعاً اس کی اجازت نہیں۔ اس قسم کی آزاد عورتوں کو باندی قرار دے کر ان کے ساتھ مباشرت حرام ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین شخص وہ ہیں جن سے میں

قیامت کے دن جھگڑوں گا: ایک وہ شخص ہے جس نے میرے نام پر دیا اور پھر دھوکا کیا۔ دوسرا وہ شخص ہے جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا۔ تیسرا وہ شخص ہے جس نے اجرت پر کسی مزدور کو رکھا اور اس سے اپنا کام تو پورا لے لیا‘ لیکن اس کی مزدوری اسے نہیں دی۔ اسی طرح سنن ابوداود ‘ابن ماجہ میں روایت ہے کہ تین شخص وہ ہیں جن کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ ان تین میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے کسی آزاد کو غلام بنالیا۔

چوں کہ عرصہ دراز سے مسلمانوں اور تمام کفار کے درمیان بین الاقوامی طور پر یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ کوئی فریق بھی جنگی قیدی کو غلام یا باندی نہیں بنائے گا اور اس بین الاقوامی معاہدے کو تمام مسلم اور غیر مسلم حکمرانوں نے اتفاق رائے سے منظور کیا ہے‘ اس لیے جب تک یہ معاہدہ برقرار ہے تب تک مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ اس معاہدے کو توڑتے ہوئے جنگ میں گرفتار ہونے والے کسی قیدی کو غلام بنائیں۔ ہاں اگر کفار خود اس معاہدے کو توڑ دیں اور مسلمان قیدیوں کو غلام یا باندی بنانے کا سلسلہ شروع کریں تو مسلمانوں کے لیے بھی اس کی اجازت ہوگی اور یہ عین حکمت و مصلحت کی بنا پر ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا یا خریدنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے اور آج کل جو بعض ممالک میں لوگ اپنے گھروں میں غلام اور باندی کے نام سے لوگ رکھتے ہیں‘ یہ درحقیقت غلام اور باندی نہیں ‘آزاد انسان ہوتے ہیں‘ لہٰذا ان لوگوں کی خرید و فروخت اور اس قسم کی عورتوں کے ساتھ شرعی باندی والا معاملہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا۔

راہ چلتے آدمی کو سلام

سوال: کسی کو سلام کرنا کن حالتوں میں درست ہے اور کن میں نہیں؟ نیز راہ چلتے سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ منع کرتے ہیں کہتے ہیں‘ اس سے روزی میں کمی واقع ہوتی ہے‘ کیا یہ درست ہے؟

جواب: واضح رہے کہ راستے میں آتے جاتے ایک دوسرے کو سلام کرنا چاہیے‘ اس سے روزی میں کمی نہیں ہوتی‘ بلکہ سلام کرنے والے کو ثواب ملتا ہے۔ مندرجہ ذیل حالتوں میں سلام کرنا مکروہ ہے:

1 نماز پڑھنے والا
2 تکبیر کہنے والا
3 قرآن شریف کی تلاوت کرنے والا
4 وعظ یا ذکر کرنے والا
5 حدیث بیان کرنے والا
6 خطبہ پڑھنے والا
7 ان پانچوں کی طرف کان لگا کے ان کی تلاوت وعظ ‘ذکر‘ حدیث
8 علمِ شرعی سکھانے والا
9 مسائلِ فقہ کا تکرار کرنے ‘انہیں یاد کرنے یا ان کو سمجھنے والا
10 جو قاضی (جج) فیصلہ اور حکم دینے کے لیے بیٹھا ہو ‘اس کو سلام نہ کیا جاے
11 علمِ شرعی میں بحث اور تحقیق کرنے والا
12 اذان دینے والا
13 اجنبی عورتوں کو (جن سے بلاوجہ بات کرنا ممنوع ہے) سلام کرنا
14 شطرنج کھیلنے والا‘ اسی طرح جو لوگ دیگر کھیلوں میں مشغول ہوں‘ اسی طرح جواری‘ شرابی‘ غیبت کرنے والا‘ گانا گانے والا
15 جس کا ستر کھلا ہوا ہو

(16) جو شخص نماز کے لیے مسجد میں بیٹھا ہو یا تسبیح میں مشغول ہو۔

یہ تمام وہ لوگ ہیں جن کو ان حالات میں سلام کرنا مکروہ ہے‘ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے یا دوسری حالتوں میں سلام کرنا سنت ہے یا مستحب‘ لہٰذا جس آدمی نے راہ چلتے سلام کرنے سے منع کیا ہے‘ اس کی بات صحیح نہیں ہے۔

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دونوں ہاتھوں سے؟

سوال: مصافحہ ایک ہاتھ سے ہوتا ہے یا دونوں ہاتھوں سے سنت ہے؟

جواب: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کا ارشاد ہے: "مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشہد سکھائی‘ جب کہ میری ہتھیلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھی۔" امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے یہ حدیث "باب المصافحہ" کے تحت ذکر فرمائی ہے اور اس کے متصل "باب الاخذ بالیدین" کا عنوان قائم کر کے اس حدیث کو مکرر ذکر فرمایا ہے جس سے ثابت ہوا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت نبوی ہے‘ علاوہ ازیں مصافحے کی روح جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے: اپنے مسلمان بھائی سے بشاشت سے پیش آنا اور باہمی اُلفت و محبت کا اظہار ہے‘ نیز فطرتِ سلیمہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں اپنے مسلمان بھائی کے سامنے تواضع و انکسار‘ الفت و محبت اور بشاشت کی جو کیفیت پائی جاتی ہے وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں نہیں پائی جاتی۔

شکریہ ادا کرنے کا طریقہ

سوال: انسان کا شکریہ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے‘ الفاظ: "مہربانی"‘ "شکریہ" وغیرہ کہنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں یہ بھی جائز ہے‘ ویسے کسی شخص کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے شریعت نے "جزاک اللہ" کہنے کی تلقین کی ہے۔ حدیث میں ہے: "جس پر کسی شخص نے احسان کیا ہو‘ وہ احسان کنندہ کو "جزاک اللہ" کہہ دے تو اس نے تعریف کو حدِ کمال تک پہنچا دیا۔

اچھا مقرر‘ اچھا‘ رہ نما‘ اچھا استاذ‘ اچھا منتظم یقیناً یہ سب اچھے ہیں مگر ایک جان دار اور شان دار معاشرے کی تشکیل و تکمیل کے لیے اچھا پڑوسی‘ اچھا باپ‘ اچھا شوہر‘ اچھی بیوی ہونا بہت ضروری ہے‘ دور کے ڈھول سہانے لگتے ہیں‘ دوسروں کے گھر اور رشتوں پر رشک آتا ہے اپنے رشتوں پر اشک آتے ہیں۔ ایسا مثالی بن کر رہا جائے کہ دوسرے تو ہم پر رشک کریں ہی‘ ہم بھی اپنے آپ پر رشک کریں‘ اللہ کا شکر بجالائیں اچھا بننے پر۔

باورچی خانہ اور ہماری صحت

گندم

تاریخ، سائنس اور افادیت کے تناظر میں

● حکیم شمیم احمد

تعارف

گندم کو عربی میں حِنطہ اور انگریزی میں Wheat کہتے ہیں۔ اس کا نباتاتی نام TriticumAestivum ہے۔ اللہ رب العزت کی بہت ساری نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا انسان کے بس میں نہیں۔ ان میں سے ایک نعمت گندم بھی ہے، جس کا پسا ہوا آٹا ہم روٹی کی شکل میں کھاتے ہیں۔ ہم جو مرضی کھالیں، لیکن جب تک روٹی نہ کھائی جائے، قرار نہیں آتا۔ گندم کا تعلّق بنیادی طور پر گھاس کے گروہ سے ہے۔ یہ گھاس ایتھوپیا، افریقا، شام، اردن، یمن، مراکش، مصر اور لبنان وغیرہ سے تعلّق رکھتی ہے۔ بعد ازاں انسان نے کاشت کرنا شروع کر دیا، یوں گندم کا پودا گھاس سے StapleFood بن گیا۔ اس سے مراد ایسی غذا ہے جسے روزانہ اتنی مقدار میں کھایا جاتا ہے کہ غذائی ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔

گندم روز مرّہ خوراک کا بنیادی اور اہم ترین جزو ہے

یوں تو قریب قریب سبھی اناج انسان کی غذائیت کے لیے بہترین نعمتوں میں سے ہیں اور ان میں سے ہر جنس تقویتِ بدن، افزائشِ صحت اور توانائی کے لیے ایک بے مثال قدرتی ٹانک کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن گندم کو ان سب اجناس خوردنی میں ایک اعلیٰ مقام اور نمایاں برتری حاصل ہے۔ گندم کہیں آٹے کی شکل میں ہماری خوراک کا جزو اوّل بنتی ہے۔ کہیں ستو کی شکل میں ہماری تسکین و غذائیت کا موجب بنتی ہے اور کہیں میدہ و سوجی کی صورت میں حلوہ جات، حریروں، پوری، کچوری اور مٹھایوں وغیرہ کا جزو اعظم بن کر ہمارے لیے لذّت کا سامان فراہم کرتی ہے، پھر کتنی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ انسان ہر روز ایک ہی قسم کا سالن، ایک ہی قسم کی مٹھائی اور ایک ہی قسم کا کوئی بھی نمکین یا میٹھا پکوان نہیں کھا سکتا۔ چند ہی روز میں بے زاری کی حد تک اس سے اُکتا جاتا ہے، لیکن گندم کے آٹے کی بنی ہوئی روٹی حضرت انسان بچپن سے بڑھاپے کی آخری منزلوں تک کھاتا ہے، اس کے باوجود اُکتاہٹ اور بے زاری کا شکار نہیں ہوتا۔ یہ علاحدہ بات ہے کہ اس روٹی کے ساتھ دیگر لوازمات مثلاً سالن وغیرہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گندم کو اللہ تعالیٰ نے غذائیت، ذائقہ اور تن پروری کے اعتبار سے بے مثال خوبیوں سے نوازا ہے۔ روٹی روکھی بھی ہو تو کھائی جا سکتی ہے، جب کہ دوسرے قسم کے اناجوں میں یہ بات صادق نہیں آتی۔ گندم ہماری روز مرّہ خوراک کا بنیادی اور اہم ترین جزو ہے، اس کے علاوہ گندم بُھنی ہوئی ہو یا اُبلی ہوئی ہمارے لیے غذائیت فراہم کرتی ہے۔

گیہوں کا آٹا۔۔۔ جسمانی طاقت اور تقویتِ معدہ کا باعث

گندم تاثیر کے لحاظ سے گرم تر ہے۔ گندم جہاں بدن کو حرارت دینے والی ایک قدرتی غذا ہے، وہاں اس میں قدرتی طور پر ایک ایسا روغن بھی پایا جاتا ہے جس میں ہماری جسمانی طاقت اور نشو و نما کا وافر سامان موجود ہے۔ گیہوں کا آٹا بدن کو موٹا کرتا ہے۔ صالح خون پیدا کرتا ہے اور مقوی باہ ہے۔ عام طور پر گندم کے آٹے کو

چھان لیا جاتا ہے، مگر آٹے کو اس حد تک چھان لینا کہ وہ بالکل میدے کی شکل اختیار کر جائے، ایسا آٹا مفید نہیں ہوتا بلکہ کسی قدر ثقیل ہو جاتا ہے اور اس میں پیٹ میں گرانی یا دیر ہضمی کی شکایت کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ زیادہ تر لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ آٹے کی چھان میں بے حد غذائیت ہوتی ہے۔ چناں چہ بڑی بڑی بسکٹ ساز فیکٹریاں بالخصوص یورپ میں طبّی نقطۂ نظر کے مطابق غذائیت پرور بسکٹ بنا کر اس چھان بورے سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھاتی اور مصرف میں لاتی ہیں۔ گندم کے سارے طاقت بخش وٹامن زیادہ تر گیہوں کے چھلکے میں ہوتے ہیں۔ ایسے آٹے کی روٹی کھانے والے بالکل باریک آٹے کی روٹی کھانے والے کی بنسبت جسمانی طاقت اور تقویتِ معدہ کے اعتبار سے معیاری اور قابلِ رشک صحت کے حامل اور قوی ہاضمے کے مالک ہوتے ہیں۔

گیہوں کا حلوہ اور دلیہ

گیہوں کا حلوہ اور دلیہ بھی فائدے بخش غذائیں ہیں۔ یہ غذائیں جہاں سستی ہیں، وہاں طاقت بھی دیتی ہیں اور طبّی لحاظ سے صحتِ انسانی کے لیے بہت زیادہ مفید ہیں۔ جہاں تک گندم کے میدے کا تعلّق ہے تو اس سے بیسیوں قسم کی لذیذ، شیریں اور نمکین اشیا تیار کی جاتی ہیں، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میدے سے بنی ہوئی اشیا جنہیں ہم لوگ بڑے شوق سے کھاتے ہیں، ثقیل اور دیر ہضم ہوتی ہیں۔ کم زور صحت اور کم زور معدہ والے افراد کے لیے اس کا استعمال نقصان دہ ہے۔

گندم پروٹین، حیاتین اور نمکیات کی فراہمی کا ضامن

گندم کھانے والوں میں زنک (Zinc) کی کمی نہیں ہوتی۔ زنک انسانی جسم میں کئی کیمیاوی تعاملات کرواتا ہے۔ اگر کسی شخص میں زنک کی کمی ہو جائے تو اس کی تولیدی صلاحیت میں کمی آجاتی ہے۔ سر کے بال گرنے لگتے ہیں۔ بالوں کے دو منہ بن جاتے ہیں، لہٰذا گندم صرف غذائی ضرورت ہی پوری نہیں کرتی بلکہ ہمارے جسم کو چند اہم اجزا پروٹین، حیاتین اور نمکیات بھی فراہم کرنے کی ضامن ہے۔

گندم کی چھان

ہمارے سینیئر ساتھی ڈاکٹر محمد اسلم صاحب کی والدہ کی صحت قابلِ رشک تھی۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا کہ ان کی صحت کا راز کیا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ وہ کھانا مختصر کھاتی تھیں اور جب بھی دعوت میں جانے کا اتفاق ہوتا تو وہاں بھی کھانا کھانے میں بہت احتیاط رکھتی تھیں اور جب کبھی نزلہ بخار ہو جاتا تو گندم کی چھان ایک پیالی میں خوب اُبال کر گاڑھا ہونے پر اصلی گھی اور چھوٹی الائچی کے دانوں کا تڑکا لگا کر پی لیتیں۔ انھیں کبھی ڈاکٹر کی گولی کھاتے نہیں دیکھا گیا۔

ماہرینِ آثارِ قدیمہ کا اندازہ

ایسا لگتا ہے کہ انسان نے دنیا میں آنے کے بعد اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جَو اور گندم کی کاشت شروع کی۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ بتاتے ہیں کہ گندم کی باضابطہ کاشت کا آغاز 9000 برس قبل مسیح میں ہوا۔ اس کا ثبوت قدیم آثار سے ملنے والے دانے ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ گندم ہے، جسے قدیم انسان خوراک کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ اُردن اور ترکی کے آس پاس اس کی کاشت شروع ہوئی۔ اس کے ذائقے اور غذائی لحاظ کی اہمیت نے انسان کو مجبور کر دیا کہ اس کی طرف رجوع کرے اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس پر انحصار کرے۔

گندم کی ایک اور خوبی

گندم کی یہ بھی خوبی ہے کہ یہ زود ہضم ہے اور لوگوں کی اکثریت بآسانی ہضم کر لیتی ہے۔ یوں تو گندم کی سُرخ اور سفید اقسام کاشت کی جاتی ہیں، لیکن ایتھوپیا میں جامنی دانوں والی گندم بھی کاشت ہوتی ہے۔ اس قسم کی گندم میں ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو بڑھاپے کے عمل کو سُست کرتے ہیں۔ اب دنیا کے مختلف ممالک میں کالی، پیلی اور نیلی گندم بھی کاشت کی جا رہی ہے۔ ان رنگوں کی وجہ سے ان میں شامل کردہ غذائی اجزا ہیں جو کئی امراض کے علاج میں بھی معاون ہیں۔ گندم میں کاپر اور سوڈیم بھی پائے جاتے ہیں۔

گندم سے گلے میں نزلہ گرنا ہمیشہ کے لیے بند

ایک مریض کو گلے میں نزلہ گرنے کی اکثر شکایت رہتی تھی، اسے مندرجہ ذیل نسخہ تجویز کیا گیا، جس سے یہ شکایت ہمیشہ کے لیے دور ہو گئی۔

ھوالشافی: لسوڑے کے پتے: 3 عدد سیاہ مرچ: 3 عدد گندم کی بھوسی: 5 گرام

تمام اشیا کو ایک پیالی پانی میں جوش دے کر چھان کر ایک چمچ شہد ملا کر صبح نہار منہ اور شام کو پلایا جائے۔

NEW

Zaiby Jewellers

CLIFTON

Delightful

Scintillation

46 YEARS OF EXCELLENCE

021 35835455, 35835488

newzaibyjewellers@gmail.com

S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Karachi

newzaibyjewellers

سنو اور جواب دو

ثانیہ ساجد

اے۔ سی کی ٹھنڈک میں نرم و گداز صوفے پر حمیرا پریشانی کے عالم میں بہ ظاہر پُرسکون سی بیٹھی نظر آرہی تھی لیکن کوئی غم تھا جو اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا جو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اسے خالی ہاتھ ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ چار بچوں کی ماں تھی' اپنا غم' اپنی شکایتوں کا اظہار کس سے کرتی' کوئی سننے والا نہ تھا۔

اولاد چاہے کتنی ہی بڑی ہو جائے' والدین کے لیے ہمیشہ بچے ہی رہتے ہیں۔ حمیرا سے بھی جب کچھ نہ بن پڑا تو دوڑی دوڑی اپنی ماں کے پاس آئی کہ شاید وہ ہی اس کے نہ سلجھنے والے سوالوں کا جواب دے دیں۔ شاید وہ ہی کوئی راستہ سمجھا سکیں۔

لیکن جب وہ اپنی امی کے گھر پہنچی تو بھابھی نے بتایا کہ امی تو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی باہر نکلی ہیں' آج منگل ہے' نجمہ خالہ کے ہاں ہر منگل کو تعلیم ہوتی ہے' آدھے گھنٹے میں آجائیں گی۔ وہ انتہائی شدّت سے امی کا انتظار کرنے لگی۔ اسے یقین تھا کہ امی کے پاس اس کے مسئلے کا حل ضرور ہوگا اور اگر نہ بھی ہوا تو کم از کم اپنی امی کے آگے دل ہلکا کر کے اس کا بوجھ تو اتر جائے گا۔ عارضی طور پر ہی سہی' لیکن اسے کچھ سکون تو ضرور محسوس ہوگا۔

وہ دل ہی دل میں امی کو اپنے سامنے بیٹھا ہوا محسوس کرنے لگی اور اندر ہی اندر ان کو دکھڑا سنانے لگی۔ ابھی وہ دو جملے ہی مکمل کر پائی تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنا شروع ہو گئے۔ دل بوجھل ہو گیا' چہرہ پریشانی کی شکنوں سے بھر گیا۔

اس نے فوراً اپنے آنسو صاف کیے۔ کہیں بھابھی نہ دیکھ لیں۔ آخر کار اس کا انتظار ختم ہوا۔ دروازے کی گھنٹی بجی۔ امی نے گھر میں داخل ہوتے ہی سلام کیا۔ وہ حمیرا کا چہرا دیکھتے ہی بھانپ چکی تھیں۔ برقعہ اتارتے ہی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''امی! میں بہت پریشان ہوں۔''

''جانتی ہوں!'' امی نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔ امی کے لہجے کا سکون حمیرا کے اندر تک سرایت کر گیا' جیسے بچپن میں امی گھر سے نکلتے وقت آیۃ الکرسی پڑھ کر پھونک دیتی تھیں' بالکل ویسی ہی پھونک نے روح تک کھلبلی مچادی ہو۔

''کہو! کیا بات ہے؟ بچے تو ٹھیک ہیں نا؟'' ہمیشہ کی طرح حمیرا کے بتانے سے پہلے ہی وہ جان چکی تھی کہ بات بچوں سے ہی متعلق ہے۔

''ہاں! طبیعت تو الحمدللہ ٹھیک ہے بچوں کی' لیکن میں بچوں کی نافرمانی کی وجہ بہت تنگ ہوں۔'' حمیرا نے ابھی بات شروع ہی کی تھی کہ عصر کی اذان کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں' لیکن حمیرا بولتی رہی۔

بچے اب بڑے ہو رہے ہیں۔ سمجھداری کی سیڑھیاں چڑھنے لگے ہیں۔ صحیح اور غلط کا فرق پہچاننے لگے ہیں' لیکن امی چاروں میں سے کوئی بھی میری بات نہیں سنتا۔ میں آوازیں لگاتی رہتی ہوں اور کسی کو بھی جواب دینے کی توفیق نہیں ہوتی۔ میرا کسی چیز سے منع کرنا ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میرا کہنا ماننا تو جیسے ان چاروں کی توہین ہو' جب میں کچھ کہہ رہی ہوتی ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے کسی کو بھی میری آواز سنائی نہیں دے رہی۔ کہتے کہتے وہ ایک دم ٹھہر گئی۔ اس نے دیکھا کہ امی کا چہرہ اور جسم کا رخ تو اس کی طرف ہے' لیکن دھیان کہیں اور ہے' جیسے انھیں کوئی غیبی آواز سنائی دے رہی ہو اور وہ لبوں کو ہلا ہلا کر منمناتے ہوئے اس کا جواب بھی دے رہی تھیں۔ ''امی! آپ سن رہی ہیں جو میں کہہ رہی ہوں؟'' حمیرا نے پوچھا۔

امی نے بغیر آواز نکالے ہاتھ کے اشارے اور گردن ہلا کر اسے صبر کرنے کو کہا۔ بس پھر کیا تھا! حمیرا نے اپنا بیگ اٹھایا اور ناراض ہو کر یہ جا اور وہ جا۔ اتنی دیر سے میں بکواس کیے جا رہی ہوں اور امی ہیں کہ پتا نہیں کہاں کھوئی ہوئی ہیں۔ میرا ہی قصور تھا جو میں یہاں آئی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں آئینہ دیکھ کر اپنے آپ سے ہی بات کر لیتی۔ اداس دل کے ساتھ جب وہ گھر پہنچی تو بچے ٹیوشن سے واپس آنے والے تھے۔ اس نے بچوں کے لیے میکرونی بنائی' پھر نماز پڑھی اور قرآن پاک پڑھنے بیٹھ گئی۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی جب بچوں نے گھنٹی بجائی۔ دروازہ کھولتے ہی وہ بچوں کو گھر میں داخل ہو کر سلام کرنے کی تلقین کرنے لگی' جب وہ میکرونی کھانے لگے تو پہلے ہاتھ دھونے کا بھی حکم دیا۔ کھانے کے فوراً بعد پانی پینے سے بھی منع کرنے لگی' لیکن مجال ہے جو بچوں نے اس کی کسی بھی بات پر عمل کرنا تو درکنار سننے کی بھی توفیق ہوئی ہو۔ بس یہی غم دیمک کی طرح حمیرا کو کھائے جا رہا تھا۔

آخر کیا کمی رہ گئی تھی میری تربیت میں' میری پرورش میں جو مجھے یہ صلہ مل رہا ہے۔ اتنی محنت سے پالا پوسا' بڑا کیا' اپنی جوانی ان کے پیچھے قربان کی اور یہ ہیں کہ میری آواز سننے کو بھی تیار نہیں۔ حمیرا سارا دن یہی سوچتی رہتی۔ وہ رات کے کھانے کے لیے روٹیاں بنا رہی تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ امی کال کر رہی تھیں۔ اتنے میں عشا کی اذان کانوں میں گونجنے لگی۔

''ہیلو! السلام علیکم!'' حمیرا نے فون اٹھایا۔

''وعلیکم السلام!'' امی نے جواب دیتے ہی کہا: ''بیٹا! میں تمہیں ذرا تین منٹ بعد پھر سے کال کرتی ہوں۔'' یہ کہہ کر انھوں نے لائن کاٹ دی۔

واہ ری! میری مصروف امی! حمیرا دل ہی دل میں خود پر طنزیہ مسکرانے لگی۔

بقیہ ص نمبر 33 پر

آنسوؤں اور آہوں کی رُوداد سُن

وزیہ ظفر

آنسوؤں اور آہوں کی رُوداد سن
ربِّ کونین میری بھی فریاد سن
آج کے دور میں، میں سب سے مظلوم ہوں
حق پر ہوتے ہوئے بھی حق سے محروم ہوں
شامِ خون رنگ ہوں، صبحِ مغموم ہوں

رات کی تاریکی میں ہلکی ہلکی سفیدی نمودار ہو رہی تھی۔ بھوک سے نڈھال ایک دوسرے سے نگاہیں چرائے اپنی سسکیوں اور خواہشات کا گلا دباتے وہ چار نفوس اندر کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کے دکھ سانجھے تھے۔ سب کی سوچ ایک جیسی تھی۔ گرجتی بجلی سے کمرے کا طلسم ٹوٹا تھا۔ بے زبان افراد کو زبان ملی تھی:

"ماں جی!" عینی نے تڑپ کر کہا تھا۔ ماں جی مصلّے پر بیٹھی تھیں۔ ماں جی کی راتیں مصلے پر گزرتی تھیں۔ ماں جی نے بے تابی سے سلام پھیرا اور اپنی لاڈلی کے پاس آ گئیں، جس کی سسکی بھوک کی وجہ سے بہت مدہم تھی۔ دسمبر کی سرد ی اور سویٹر رضائی سے بے نیاز عینی، جس کے سر پہ چھت ٹپک رہی تھی، چار دن کی بھوک سے عجیب نڈھال سی پڑی تھی۔ "ماں جی! بہت بھوک لگی ہے۔ بھوک سے آنتیں باہر آ رہی ہیں۔ کھانے کو دے دو نا کچھ؟" عجیب منت بھرا لہجہ تھا۔ اس نے عجیب شاکی نظروں سے ماں جی کو دیکھا۔ "ماں جی! کیا آج بھی ہم بھوکے رہیں گے؟" سات سالہ عبدالہادی بھی تڑپ کر بولا۔

"ماں جی! کھانا لے دیں نا۔" وہ چاروں رو رہے تھے ماں جی نے اپنی کالی بوسیدہ چادر کو اپنے ارد گرد لپیٹا اور دروازے کے ننھے سوراخ سے جھانکنے کی کوشش کی۔ بارش ایک بار پھر زور سے برسی تھی، پوری چھت ٹپک پڑی تھی۔ ماں جی نے ایک نظر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ یک دم بارش رک گئی۔ ماں جی نے اپنی کالی بوسیدہ چادر کے پلّو سے کچھ باندھا تھا۔ "میرے بچو! میں باہر جا رہی ہوں، اپنا خیال رکھنا، جب تک میں آنہ جاؤں اور آواز نہ دوں، دروازہ نہ کھولنا۔"

"ماں جی! ماں جی!" پندرہ سالہ عزت ماں جی کی ٹانگوں سے لپٹ گئی تھی۔ "ماں جی! آپ ہمیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔ ہمیں بھوک منظور ہے، مگر بے عزت ہونا نہیں۔ ماں جی! وہ کتے اسی انتظار میں بیٹھے ہیں۔ وہ نوچنا چاہتے ہیں ہمیں۔ ماں جی! خدا کے لیے آپ نہ جائیں ہمیں چھوڑ کر۔" چیخ چیخ کر روتی عزت ماں جی کے قدموں سے لپٹ گئی تھی۔

"عزت! میری بچی! تو شہیدوں کا خون ہے۔ شہیدوں کے بچے بزدل نہیں ہوتے۔" ماں جی نے روتی کپکپاتی عزت کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ "میرے معصوم بچے چار دن سے بھوکے ہیں عزت!" ماں جی کی آنکھیں نم تھیں "ماں جی! وہ زندہ تو ہیں نا؟" عزت نے تڑپ کر کہا تھا۔ "اور اگر آپ چلی گئیں تو ہمیں کھو دیں گی۔ وہ کتے، وہ کافر اسی تاک میں بیٹھے ہیں ماں جی!"

ماں جی نے ایک نظر عینی، ہادی پر ڈالی جو بھوک سے نڈھال بیٹھے تھے۔ "میری بچی! میری عزت! تجھے اپنی عزت کی رکھوالی کرنی آتی ہے۔ اپنے بھائی بہنوں کا خیال رکھنا۔"

"ماں۔۔۔جی! ایسا نہ کریں ماں۔۔۔جی! مت جائیں۔۔۔ماں جی! مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ مجھے مرنے سے بچا لیجیے۔" سسک کر روتے ہوئے ماں جی کے سامنے عزت نے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"عزت میری بچی! ضد نہ کر! دروازے کی کنڈی لگا دے، میں ابھی دس منٹ کے اندر واپس آ جاؤں گی۔"

"ماں جی! آپ کو اپنی عزت کا خیال کیوں نہیں آ رہا؟ ماں جی! آپ اپنی عزت کی عزت کو کیوں بھول رہی ہیں۔" عزت نے درد بھری آواز میں شکوہ کیا تھا۔ ماں جی نے کالی چادر کے پلو سے اپنی نم آنکھیں رگڑی تھیں اور پیچھے دیکھے بغیر دروازہ پار کر گئیں۔ عینی، ہادی، فاطمہ ساکت پڑے تھے۔ عزت دروازے کی کنڈی لگائے وہیں دروازے کے پیچھے ہی بیٹھ گئی تھی سرد ی سے بے نیاز۔۔۔

تم شہرِ امان کے رہنے والو! درد ہمارا کیا جانو!
ساحل کی ہوا تم، موج صبا! طوفانوں کا دھارا کیا جانو

دشمن گھات لگائے بیٹھا تھا۔ ماں جی کے جانے کے فقط دس منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی "ٹھک ٹھک ٹھک"

"کون؟" عزت نے کپکپاتی آواز میں پوچھا تھا۔

"دروازہ کھولو گڑیا! ہم تمہارے پیارے پیارے بھائی ہیں" عزت نے آسمان کو دیکھا تھا۔اس کے لہجے میں خود بخود سختی آ گئی تھی۔

"نہیں کھولوں گی۔دفع ہو جاؤ۔" عزت نے چیختے ہوئے کہا تھا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ہم دروازہ توڑ دیتے ہیں۔" وہ چار تھے۔ان چاروں کے شیطانی قہقہوں سے عزت کا دل اچھل کر باہر آ رہا تھا۔

"ماں جی! ماں جی!" اس نے دبی دبی آواز میں ماں جی کو پکارا۔

"دروازہ کھولو! عزت! ہم تمہارے بھائی ہیں۔" ان چاروں نے شیطانی قہقہے لگاتے ہوئے پھر کہا۔ "کھولو نا! ضد نہیں کرتے گڑیا!"

"نہیں کھولوں گی سن لو تم!"

"کیا بولا!!!" وحشی چیخا تھا۔ "بد تمیز گستاخ لڑکی ہمیں جواب دیتی ہے۔چار تک گنتی گنتے ہیں اگر کھول دیا تو ٹھیک۔۔۔ورنہ چار ضربوں سے توڑ دیں گے۔۔۔۔" یہ کہتے ساتھ ہی کہنے والے نے بوٹ بھی مارا تھا۔عزت کا دل اچھل کر گلے میں آ گیا تھا۔اس نے زور سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"ایک۔۔۔! دو۔۔۔! تین۔۔۔!. سن لے لڑکی دروازہ کھول دے' ورنہ ۔۔۔" اب کی بار دوسرا شخص بولا تھا۔ "چار۔۔۔! بس ختم۔۔۔!" بوٹوں کے ساتھ دروازے پر ضرب پڑی تھی۔عزت دیوانہ وار بھاگی تھی۔وہ اتنی جلدی کیسے ہار مان لیتی۔اس کی رگوں میں شہیدوں کا خون تھا۔وہ کشمیر کی بیٹی تھی۔وہ عزت تھی۔اس کے بابا جانی نے اس کا نام عزت رکھا تھا۔اس نے اپنے نام کی لاج رکھنی تھی۔وہ بابا جان کے کمرے میں آئی تھی۔وہ چاروں کتوں کی طرح بھونکتے ہوئے اس کی بو سونگھ رہے تھے: "باہر آ جاؤ نا گڑیا! دیکھو تو سہی! ہم تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔آ جاؤ نا گڑیا!" وہ چاروں شیطانی قہقہے بکھیر رہے تھے۔

"عزت میری بچی! اپنی عزت کی حفاظت کرنا۔" بابا جانی کا آخری جملہ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔اس کو اپنے وجود میں عجیب سی طاقت محسوس ہوئی تھی۔اس نے بابا جانی کی بندوق اٹھا لی تھی۔دشمنوں کو اپنی طرف آتا پا کر اس نے فائر کیا تھا۔نشانہ بالکل سینے پر لگا۔ایک اُن میں سے شدید زخمی ہو کر گر چکا تھا' مگر عزت کے پاس بندوق کے اور کارتوس نہیں تھے۔دشمن کتوں کی طرح بھونکتے ہوئے اس پر جھپٹے تھے۔وہ ننھی معصوم جان اور اب تین جوشیلے جوان

"ماں جی۔۔۔!" وہ درد بھری آواز میں چیخی تھی۔

"ہمیں مارتی ہے؟ ہم سے مقابلہ کرتی ہے؟" انھیں اپنے زخمی ساتھی کی بالکل پروا نہیں تھی۔وہ ایک بار پھر بھاگی تھی۔عزت کی نظر تلوار پر پڑی۔اس نے جلدی سے تلوار اتار لی۔دشمن تلوار چھیننے کے لیے اس کے پاس آیا تھا۔عزت کی تلوار نے دوسرے کو بھی بری طرح لہولہان کر دیا تھا۔وحشی غصے سے پھٹے جا رہے تھے۔ایک کالے بھری جسامت والے وحشی نے پیچھے سے آ کر اس کی چوٹی پکڑی تھی۔عزت کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی تھی' وحشی اسی تلوار سے عزت پر پے در پے وار کر رہا تھا۔وہ شدید زخمی ہو چکی تھی۔

غصہ جنون کیا کچھ نہیں تھا ان کے اندر۔ "چھٹکی بھر کی لڑکی ہم سے مقابلہ کرتی ہے۔" وحشی نے اپنے خون آلودہ بازو کو دیکھا اور ایک اور وار کیا اس پر۔ "بس کر میرے یار۔۔۔!"

"نہیں! اس نے میرے یار کو زخمی کیا' میں اس کمینی کی بوٹی بوٹی کر دوں گا۔"

"بس کر دے یار۔۔۔! اب یہ بچے گی نہیں' آ کچھ مرہم پٹی کرواتا ہوں تیری۔سردی بھی جوبن پر ہے۔خون بھی بہت بہ گیا ہے۔آ میرے یار کیوں اپنی جان کو تکلیف دیتا ہے۔" وحشی نے زخمی وحشی سے ہمدردی کرتے ہوئے کہا اور دروازے کی سمت اسے کھینچ کر لے گیا۔۔۔۔۔۔خون میں نہائی بوٹی بوٹی ہوئی عزت نے اپنی عزت کی رکھوالی اور اپنے بہن بھائیوں کی رکھوالی کر لی تھی۔ماں جی دروازہ کھلا دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی۔سامنے کا منظر' خون کی بارش'

عز۔۔۔۔۔۔ت!!!" ماں جی کی دل دہلانے والی چیخ گونجی۔ان کے ہاتھ سے شاپر گر گیا تھا۔وہ دوڑ کر عزت کے پاس پہنچی تھیں۔

"ماں جی! تمہاری عزت نے اپنی عزت پر جیتے جی آنچ نہیں آنے دی۔" اس کے ساتھ ہی اس کا سر ماں جی کی گود میں ایک طرف کو ڈھلک گیا۔کالی بوسیدہ چادر سرخ ہو گئی تھی۔بارش ایک بار پھر زور سے برسی تھی۔ہاں آسمان رو رہا تھا۔فریاد کناں تھا اس معصوم قتل پر' ہاں ماں جی کے ساتھ آسمان بھی رو رہا تھا۔خوف زدہ سی عینی باہر آئی تھی۔ "ماں جی! آپ جو کہتی تھیں ہمارے بھائی آئیں گے ان وحشیوں سے بچانے کے لیے۔۔۔اس مشکل سے نجات دلانے کے لیے ہمارے بھائی کیوں نہیں آئے آپی کو بچانے کے لیے۔۔۔؟ آپی مر گئی ماں جی! بھائی کب آئیں گے؟ مجھے نہیں مرنا ماں جی! بھائیوں کو بلائیں نا؟ کشمیر کی بیٹی انہیں بلا رہی ہے۔۔۔کشمیر کی بہنیں انہیں پکار رہی ہیں۔بھائی آ جائیں نا؟"

ماں جی نے دل افروز آواز میں کہا تھا: "میری بچی ناامید نہ ہو' تیرے بھائی آئیں گے تیری بہن کا بدلا لینے عززززت!!!" ماں جی کی چیخ چاروں طرف گونجی تھی۔

امید صبحِ جمال رکھنا' خیال رکھنا
خیال رکھنا' خیال رکھنا
نئے دنوں کی مسافتوں کو اجالنا ہے
وفا سے آسودہ ساعتوں کو سنبھالنا ہے
یہ دھوپ اس کی' یہ چھاؤں اس کی ہماری دولت
یہ خاکِ پاک اس کی اپنی عزت ہے اپنی عظمت
امید صبحِ جمال رکھنا' خیال رکھنا
خیال رکھنا' خیال رکھنا

آخری قسط

انتظار

امۃ اللہ

انجم کی برسوں سے منتظر باتیں نجانے کس قدر ہوں گی؟ شاید آج اس زیادہ بولنے والی لڑکی کی باتوں کا انتظار ختم ہو جائے۔ ماں کی ان سب باتوں سے مجھے معلوم ہوا کہ عورت بہت ہی نازک جذبات رکھتی ہے اور انتہائی خوب صورت احساسات کی ملکہ ہے۔ عورت اپنی ڈھیر ساری ذمہ داریوں اور کام کاج کی مصروفیتوں کے باوجود بھی ہر بات کو محسوس کر لیتی ہے اور

خود سے جُڑے ہر رشتے کی انھیں نبھانے کے ساتھ ساتھ قدر بھی کرتی ہے۔ اسی طرح عورت یہ بھی چاہتی ہے کہ اسے بھی ہر رشتے کی محبت کی مٹھاس ملے۔ کاش۔۔۔! اس کانچ کی گڑیا کا ہم حق ادا کر سکیں اور اس کی آنکھوں میں سچے خواب کی تعبیریں بن سکیں! شاید کہ اس سے اس کے انتظار کی مصیبت ہلکی ہو سکے۔

یہ باتیں سوچتا ہوا ابھی میں دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ موم نے آواز لگائی: ''پتّر!'' میں پلٹا تو موم نے کہا: ''میرے پتّر! میں تیری ماں ہوں۔'' موم مسلسل مجھے جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ پس! اگر موم مجھے نہ پکارتیں تو شاید ہی مجھے پلٹ کر دیکھنا یاد رہتا۔ ''آپ کو پتا ہے، موم نے یوں کیوں کہا کہ میں تیری ماں ہوں۔۔۔؟ اس لیے کہ کہیں بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں ماں کو نہ بھول جانا۔'' اس بار موم کی حالت پہلے سے الگ تھی۔ موم لبوں سے مسکرا رہی تھیں اور آنکھوں میں نمی تھی۔ چہرے کا گندمی رنگ سفید ہو چکا تھا۔ میرا دل چاہا کہ بچپن کی طرح میں موم کے قدموں سے لپٹ جاؤں، مگر حیا کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا۔ پس! موم کو الوداع کہہ کر میں شہر کی طرف چل پڑا۔ سارے راستے موم کا چہرہ میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ گھر پہنچا تو یاد آیا کہ انجم کے لیے کچھ لے لیتا تو وہ خوش ہو جاتی۔ پس! میرے گھر میں داخل ہوتے ہی انجم گھبراتی ہوئی بولی: ''میں آپ کا کب سے انتظار کر رہی ہوں۔ اتنی رات ہو گئی ہے۔ کم سے کم آپ مجھے بتا تو دیتے کہ کہاں جا رہے تھے۔ دیکھیں! مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ میں آپ سے نہیں جھگڑوں گی۔ میں ۔۔۔''

''بس! بس! بس بھی کرو اب۔ سانس تو لے لو۔'' میں انجم کو چپ کراتے ہوئے بولا۔ انجم نے میرے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ میں باہر گیا انجم کے لیے کچھ لینے۔ ابھی دکان پہنچا ہی تھا کہ ڈیڈ کی کال آئی۔ میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ موبائل ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں بے ساختہ گاؤں کی طرف گاڑی لے کر بھاگا۔ موم اب اس دنیا میں نہیں رہیں اور موم کے قدموں سے لپٹنے کی خواہش میرے سینے میں ہی حسرت بن کے رہ گئی۔ کاش۔۔۔! میں اس وقت موم کے قدموں کو چوم کر موم کی شفقت بھری دعائیں لے لیتا۔

موم کو گزرے عرصہ دراز ہو چکا ہے۔ گاؤں کی ہر گلی اب سونی لگتی ہے۔ آج میں ڈیڈ سے ملنے جا رہا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ موم کی طرح میں سلام میں پہل کروں گا۔ پس! جب میں گھر میں داخل ہوا تو ڈیڈ موم کے لگائے ہوئے پھولوں کو پانی دینے میں مصروف تھے، کبھی مرجھائے ہوئے پتوں کو کھینچ کر اکھیڑ رہے تھے تو کسی لچکتی شاخ کو سخت لکڑی کے ذریعے سیدھا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ بالآخر وہ شاخ سیدھی تو نہ ہوئی، ہاں مگر ٹوٹ ضرور گئی۔

آہ۔۔۔! ہم میں سے کتنے ہی مردان نازک کلیوں کو سیدھا کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں، جو درحقیقت ہماری کوششیں نہیں ''ضد'' ہے۔ شاید! ہم اس بات سے نا آشنا ہیں کہ ان لچکتی کلیوں کی خوب صورتی ان کے ٹیڑھے پن سے ہی ہے۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ ڈیڈ اب تک میرے آنے سے بے خبر تھے۔ میں نے سلام کیا تو ڈیڈ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ''تم کب آئے بیٹا!''

''بس! ابھی ڈیڈ!'' میں نے کہا۔ میں ڈیڈ سے تو جیت جاتا ہوں اس معاملے میں، مگر موم سے کبھی نہ جیت سکا۔ واقعی سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے اور موم ہم سے محبتوں کے مقابلے میں جیت گئیں۔ اس بار ڈیڈ اپنی کرسی کے بجائے اس تخت پر جو پیپل کے درخت سے تھوڑا دور رکھا ہوا تھا بیٹھ گئے اور پھر ڈیڈ خاموش ہو گئے، طویل خاموش ہونا۔ موم ڈیڈ کے انتظار میں ساری زندگی اپنے دل کی تنہائیوں میں ڈیڈ سے اظہارِ محبت کرتی رہیں اور ڈیڈ مصروف رہے، مگر اب ڈیڈ ہر کام سے فارغ ہو چکے ہیں، مگر اس فراغت کا اب کیا کوئی نفع ہو سکتا ہے؟ ڈیڈ کی نگاہیں موم کے لگائے گلابی پھولوں پر مچلتی چاندنی پر گڑی ہوئی تھیں۔ شاید اب ڈیڈ کو موم کا پسندیدہ رنگ سمجھ آ گیا ہو۔ میں ڈیڈ کے چہرے کی لکیروں میں لکھے غم کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈیڈ لمحہ بہ لمحہ بڑھنے والے انتظار کے عرصے کو دیکھ کر، موم کی نہ ختم ہونے والی یادوں کے طلاطم میں اپنے دل کو جھنجھوڑ رہے تھے۔

میں نے خاموشیوں کی کڑیوں کو توڑتے ہوئے کہا: ''ڈیڈ! کیا سوچ رہے ہیں؟'' ڈیڈ کے لبوں پر غموں کا بوجھ تھا، ان کو موم کی طرح مسکرانے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ گویا ڈیڈ موم کے لگائے پھولوں کو دیکھ کر یہ کہہ رہے ہوں

تو نہیں تو کوئی شام سُہانی بھی نہ ہو
روز تازہ ہو، تیری یاد پرانی بھی نہ ہو

Your Friend In Real Estate

جُنید امِین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی۔ایچ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے
جُنید امِین

BAHRIA TOWN

PAKISTAN DEFENCE OFFICERS HOUSING AUTHORITY
HOME FOR DEFENDERS

DHA CITY

نزد مسجد بیت السلام، خیابان جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی

021-35313254 - 0300-9213373 junaidameen@live.com

ہم بقا کو بھول کر فنا میں اُلجھ گئے

صبا یرنس قریشی

''زندگی''ارمان' خواہشات کا نام ہے۔ دنیا کی رنگینی ہمیں مرعوب کیے ہوئے ہے۔ ہمارے اندر خواہشات کے محل قائم ہیں۔ ہم فراموش کر چکے ہیں کہ (کل نفس ذائقۃ الموت) ہر جان دار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر دوسرے دن ہمارے سامنے کوئی نہ کوئی اپنے اندر اپنی خواہشات کے محل لیے منوں مٹی تلے جا سوتا ہے۔ پھر بھی ہمیں عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ کیوں؟؟

کیوں کہ ہم نے اپنا ''مقصد حیات'' دنیا کو بنالیا ہے۔ اور ہم اللہ تعالی کو بھول چکے ہیں۔ ہمارا ''مقصد حیات'' ہماری خواہشات ہیں۔ حالاں کہ اللہ رب العزت نے تو واضح طور پر فرمادیا: (کل من علیہا فان) ہر جان دار کو بالآخر فنا ہے۔

ہم نے بھلا دیا ہے زندگی "موت" کی امانت ہے۔ ٹھیک ہے زندگی گزارنے کے لیے ہمیں بہت کچھ چاہیے ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ جو تھوڑا سا وقت ہم نے گزارنا ہے ہم اس کے لیے تو پوری بھاگ دوڑ کریں اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے اسے پس پشت ڈال دیں۔ ہم بقا کو بھول کر فنا میں الجھ گئے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ اس کی لذتیں فانی ہیں۔ ہماری زندگی فانی ہے۔ ہماری خواہشات فانی ہیں۔ صرف اللہ رب العزت کی ذات کو بقا ہے۔

آج جو لوگ اپنی خواہشات کو مار کر رب کی رضا کے لیے جی رہے ہیں' وہ آج تو ہماری نظر میں بے وقوف ہیں' لیکن کل جب روز قیامت رب کائنات ان کو صبر کا بدلہ دے گا' تو ہم کہیں گے "کاش! ہم صبر کر لیتے' کاش! ہمارا وجود بھی قینچیوں سے کاٹا جاتا' اور ہم صبر کر لیتے تو آج ہم بھی اس طرح صلہ پاتے۔۔۔ لیکن تب وقت گزر چکا ہو گا۔ تب دنیا فنا ہو چکی ہو گی۔ ہم اس دنیا میں مگن کیوں ہو چکے؟ ہمیں اس دنیا کی رنگینی کیوں مرعوب کیے ہوئے ہے؟ ہم خوہشات و آسائشات کے پیچھے کیوں بھاگ رہے ہیں؟ اس لیے کہ آج امت مسلمہ کی اکثریت نے اپنی ذمے داری کو بھلا دیا ہے۔ آج امت مسلمہ کو یہ تو یاد ہے کہ ہم بہترین امت ہیں۔ افضل امت ہیں۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ بہترین امت قرار دیے جانے کی وجہ کیا تھی؟

(کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون با لمعروف و تنہون عن المنکر) تم بہترین امت ہو' تمہیں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ اب یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ ہم بہترین امت ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ کیوں بہترین امت ہیں؟ کیوں ہم نے خود غرضی کے لبادے اوڑھ لیے ہیں۔ آج کی ماں کو یہ تو معلوم ہے کہ بچے نافرمان ہو رہے ہیں' بیوی کے تابع ہو جاتے ہیں' مگر جانے یہ کیوں نہیں معلوم کہ اس کی تربیت کیسے کرنی تھی تو وہ بچہ فرماں بردار ہوتا۔۔۔ میں خود اللہ اور رسول ﷺ کی تابع ہوتی تو اولاد میری تابع ہوتی۔

آج کے تاجر کو یہ تو معلوم ہے کہ میں اتنا کما رہا ہوں۔ مہنگائی اتنی ہے پورا نہیں پڑتا۔۔۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ آج ہم کسی کو خوش دیکھ کر یہ تو سوچ لیتے ہیں کہ اس کے پاس تو ہر سکھ ہے اس لیے یہ خوش ہے۔ لیکن ہم اپنے اوپر رب کی نعمتوں فراموش کر دیتے ہیں۔ آخر کیوں؟؟

بس اس سب کی وجہ محض اپنے مقصد حیات کو بھلا دینا ہے۔۔۔ دنیا کو سب کچھ سمجھ لینا ہے۔ موت کو فراموش کر دینا ہے۔۔۔ آخرت کے حساب کتاب سے ان جان بن جانا ہے۔۔۔ دین کو پس پشت ڈال کر دنیا کو ترجیح دینا ہے۔ نبی کے طریقوں کو چھوڑ کر یہود کے طریقوں کو اپنانا ہے۔۔۔ غرض کہ ہم اپنے آپ کو یہ باور کروالیں کہ یہ زندگی رب کی امانت ہے۔ (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) نہیں پیدا کیا ہم نے جنات اور انسانوں کو مگر صرف اس لیے کہ میری بندگی کریں۔

اگر ہم چوبیس گھنٹوں میں صرف پانچ منٹ نکال کر اپنا روز محاسبہ کریں کہ صبح سے رات تک کا سارا وقت میں نے کیسے گزارا؟؟ اگر ابھی ابھی موت آگئی تو؟ چوبیس گھنٹوں میں سے صرف دو منٹ ہم آنکھیں بند کر کے یہ سوچیں کہ ہم اس وقت قبر کے اندر ہیں تو محسوس کریں کیا ہوتا ہے؟ ہم آج ذرا سی گرمی برداشت نہیں کر پاتے۔ تھوڑی دیر کے لیے لائٹ چلی جائے تو گرمی اور اندھیرا کھانے کو آتا ہے۔ پھر بھلا ہم کیوں روزِ محشر کی اس گرمی کو فراموش کیے ہوئے ہیں جو ہمارے سروں پر سورج کے سوا ہونے سے ہو گی۔ ہم قبر کی تنہائی اور اندھیرے کو کیسے بھول بیٹھے ہیں؟

بلاشبہ دنیا بہت رنگین ہے۔ اس کی آسائشات مرغوب کر دینے والی ہی ہیں۔۔۔ لیکن ہمارا اصل ٹھکانا یہ دنیا نہیں ہے۔ آخرت ہے۔ دنیا کی آسائشات نہیں ہیں بلکہ جنت اصل آسائشات کی جگہ ہے۔ پھر کیوں نہ آج ہم خود سے عہد کریں کہ ہمیں یہ فانی ٹھکانا اور فانی آسائشات نہیں بلکہ باقی رہنے والا ٹھکانا اور باقی رہنے والی آسائشات ہی حاصل کرنی ہیں۔ تھوڑا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن ہرگز نہیں ہے۔ بس اللہ کو راضی کرنے کے لیے قدم اٹھانے کی دیر ہے وہ خود بخود ساری راہیں آسان کر دے گا۔

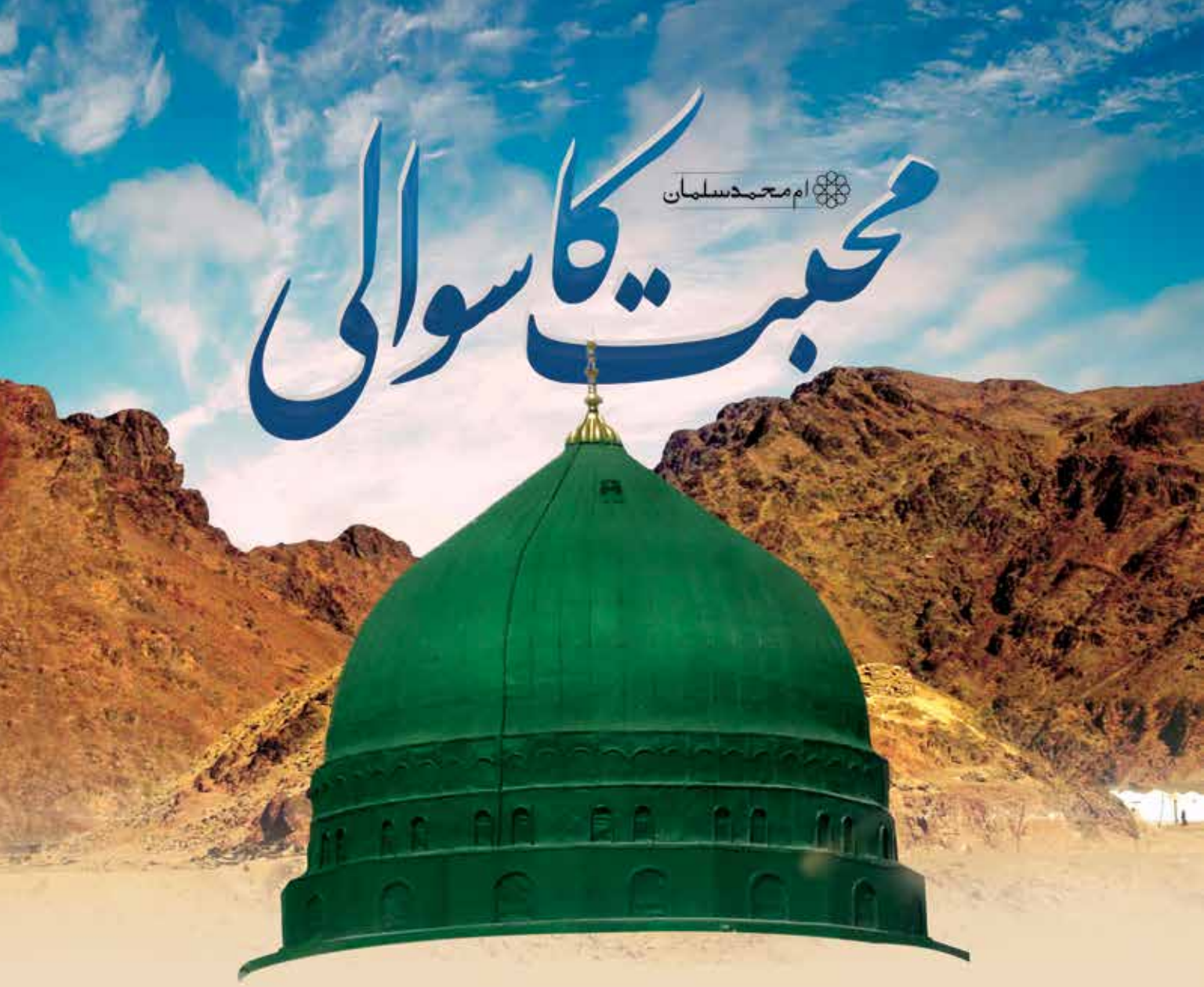

محبت کا سوالی

ام محمد سلمان

دل میں محبت کی شمع جلائے وہ بوڑھا تیز تیز قدم بڑھا رہا تھا۔ دور سے نظر آتی جبلِ اُحد کی چوٹیاں اس کے آتشِ شوق کو مزید بھڑکا رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ احد کے دامن میں پہنچ چکا تھا اور گہرے گہرے سانس لیتا کھڑا ہو گیا۔ ذرا سانس بحال ہوا تو دامنِ اُحد میں مدفون شہداءِ اُحد پہ فاتحہ پڑھی، دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو بے اختیار آنکھوں سے موتی جھڑنے لگے۔ جانے کون کون سے مناظر آنکھوں میں جھلملانے لگے۔ تاریخ کے جھروکوں سے جھانکتی ہوئی جنگ احد کی جھلکیاں۔ شہداء کا بہتا خون، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر مر مٹ جانے والوں کی ادائیں، گھوڑوں کی ہنہناہٹ، اونٹوں کی بلبلاہٹ، تلواروں کی جھنکار، نیزوں کا شور اور اللہ اکبر کی گونجتی صدائیں۔ میرے خدا میرے خدا! کیا منظر ہو گا وہ... بوڑھے نے پھر سسکیاں بھرنا شروع کر دیں۔ شہداءِ اُحد کو محبت و عقیدت سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے، جنت میں ان سے ملاقات کی تمنا دل میں لیے، جبلِ احد کی طرف ایک بھرپور نظر ڈالی اور گلوگیر آواز میں مخاطب ہوا:

اے احد!! تجھے میرا سلام..! تو جانتا ہے میں یہاں کیوں آیا ہوں؟" کیوں کہ میرے نبی نے ایک دن کہا تھا: "احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم بھی احد سے محبت کرتے ہیں۔" (صحیح بخاری) اے پر شکوہ جبلِ احد!! میں بھی تجھ سے اپنی محبت کا اقرار کرنے آیا ہوں۔ جیسے میرے رسول ﷺ کو تجھ سے محبت تھی، میں بھی تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ میں تیری مٹی، چٹانوں اور سنگ ریزوں سے بھی پیار کرتا ہوں۔ اے اُحد!! تو بھی تو مجھ سے محبت کر... مجھے یہ نسبت بھی پیاری ہے کہ میں اتباعِ سنت میں تجھ سے محبت کروں اور تو مجھ سے محبت کا اقرار کرے۔" بوڑھے کی سفید داڑھی آنسوؤں سے بھیگ چکی تھی۔ تھکے وجود میں اب کھڑے رہنے کا یارا نہ رہا تو وہیں چند پتھروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

یہ جنوری کی ایک سرد سی شام تھی۔ سورج کی نرم چمکیلی شعاعوں نے ماحول کو خوشگوار کر دیا تھا۔ نیلے آسمان پہ کہیں کہیں تیرتے سفید بادلوں کے ٹکڑے سورج کی روشنی سے مزید چمک رہے تھے۔ ان بدلیوں کو دیکھ کر بوڑھے کے چہرے پر ایک مسکراہٹ

دوڑ گئی۔ کیا شان تھی میرے نبی ﷺ کی جب سورج آگ برساتا تو بدلیاں ان پر سایہ کرتی تھیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس نے بڑی محبت سے درود پڑھا اور پھر ایک جذب کے عالم میں پڑھتا ہی چلا گیا۔ پھر کہنے لگا: "اے احد!! ایک بات کہوں! آج اگر یہاں میرے مربی میرے حبیب سیدی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ موجود ہوتے تو میں بصد شوق واحترام ان سے عرض کرتا۔" یارسول اللہ ﷺ!! آپ کی محبت جوانی کے اولیں دنوں سے میرے دل کی جڑوں میں بیٹھ گئی تھی۔ میں نے آپ سے محبت کی تو محبت کے تقاضوں کو نبھانے کی بھرپور کوشش بھی کی۔ یارسول اللہ!! ﷺ میرے یہ بال اسلام میں سفید ہوگئے میرے چہرے پر جھریاں پڑ گئیں میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں مگر اطاعت کا جذبہ ہمیشہ جوان رہا۔ مجھے ایسا لگتا ہے وہ منظر میری آنکھوں میں سمایا ہے جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ سے آکر کہہ رہے تھے کہ جب محبت وشوق کا سمندر دل میں ٹھاٹھیں مارتا ہے تو زیارت کے بغیر چین نہیں پڑتا' سوچتا ہوں جنت میں آپ بڑے اعلیٰ درجوں میں ہوں گے تو ہم آپ سے کیسے مل پائیں گے؟ اور سبحان اللہ!! کیا کہنے اس گھڑی کے جب فرش پہ سوالی نے سوالِ محبت کیا اور عرشِ معلیٰ سے جواب "اطاعت" آیا تھا۔ جبرائیل امیں نے آکر مژدہ سنایا کہ "جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیا' صدیقین' شہدا اور صالحین۔ اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ اور یہ رفاقت محض اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں ہر ایک کے عمل کو (سورہ نساء' 69'70)

یارسول اللہ!! میں نے یہ آیت سیکھی اور اپنی زندگی آپ کی رفاقت حاصل کرنے اور اس محبت کو سچا ثابت کرنے میں' اپنے اعمال نکھارنے' منکرات سے بچنے' احکام پر عمل کرنے اور آپ کے پیغام کو حتی المقدور آگے پہنچانے کی کوشش میں لگ گیا۔ اور مجھے آپ کا وہ ارشاد گرامی بھی یاد ہے: "لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (حسن صحیح) تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحب ایمان نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اور رجحان اس تعلیم وہدایت کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔" اور میں نے ہمیشہ کوشش کی اپنی خواہشات کو آپ کے احکام کے تابع رکھوں۔ اور جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ" جس نے میری سنت سے پیار کیا' اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔" (مسند احمد و کنز العمال) الحمد للہ میں نے ہمیشہ اتباع سنت کی کوشش کی' یہ احساس دامن گیر رہا کہ میرا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا اور زندگی کے سارے اختیاری معمولات آپ کی سنت کے مطابق ہوں۔ اور اے حبیب خدا ﷺ!! آپ نے یہ بھی فرمایا تھا ناں "المرء مع من احب" (قیامت کے دن) آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ تو میرا دل دیوانہ وار آپ کی محبت میں تڑپنے لگا۔ میں اپنے جان و مال' والدین اور اہل و عیال سے بھی زیادہ آپ سے محبت کرنے لگا۔ اور قرآن مجید میں بھی تو اللہ رب العزت نے جگہ جگہ شان بیان کی ہے آپ کی..

"اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" یعنی اللہ کی اطاعت بھی اور آپ کی اطاعت بھی۔ پھر میں کیسے نہ آپ کی اطاعت کرتا؟ میں کیسے آپ کی نافرمانی کرتا؟ میں عمل سے خالی رہ کے محبت کے دعووں میں جھوٹا ثابت نہیں ہونا چاہتا۔ میں تو.. میں تو.. یارسول اللہ!! سچی محبت کرتا ہوں آپ سے۔ بشریت کے ناتے جو کمی کوتاہیاں ہوئیں وہ میری کمزوریاں تھیں.. میرا اللہ مجھے معاف کردے۔

محبت کہیں اطاعت کے بغیر بھی ہوتی ہے؟ محبت تو دل کا سودا ہے۔ دل جب کسی کے سامنے اپنی انا و خواہشات کو زمیں بوس کر دیتا ہے اور صرف محبوب کی رضا کو مقدم رکھتا ہے۔ یارسول اللہ!! ﷺ میری محبت کا یہ ادنی تحفہ قبول کیجیے.. قبول کیجیے.. قبول کیجیے! بوڑھا آنکھیں بند کیے ایک عالم جذب میں پکارتا چلا جا رہا تھا۔ آنسوؤں سے دھلتے چہرے پر راہ کا گرد و غبار مٹ چکا تھا۔ ایک طویل ٹھنڈی آہ بھری.. اٹھا اور شہر مدینہ کی طرف رخ کرتے ہوئے 'اُحد سے مخاطب ہوا "اب چلتا ہوں!! دل تو چاہتا ہے تیرے پاس اور بیٹھوں اور اپنے محبوب کی باتیں کروں۔ مگر بیٹھوں گا نہیں۔ وہاں کچھ دور سواری میرا انتظار کر رہی ہے۔ مغرب تو میں اپنے نبی ﷺ کی مسجد میں ہی پڑھوں گا ان شاء اللہ۔ بوڑھے نے ایک الوداعی نظر احد پہ ڈالی تو دل تھم سا گیا۔ یوں لگا اس بلند و بالا پہاڑ نے جیسے کچھ کہا ہو... کیا کہا؟؟ مگر الفاظ کہاں تھے!!! وہ تو بس ایک احساس تھا... ہاں ایک احساس تھا۔ شاید یہ کہا تھا... "پھر کب آؤ گے؟" اور دو قطرے بڑی شدت کے ساتھ آنکھوں سے ڈھلک گئے۔ دو محب ایک دوسرے کو الوداع کر رہے تھے۔ اور محبت کا پیہم یقین دل میں لیے بوڑھے قدم سواری کی جانب تیز ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو جو شخص کسی بات کا علم رکھتا ہو' اسے چاہیے بتادے اور جو نہ جانتا ہو اسے چاہیے کہہ دے: اللہ اعلم (اللہ جاننے والا ہے) کیوں کہ یہ کہہ دینا بھی علم کی بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون عالم ہوگا' لیکن آپ نے بہت سے سوالوں کے جواب میں فرمایا: لاادری (مجھے معلوم نہیں) پھر جب وحی نازل ہوئی تو اس وقت بتلادیا (ماخوذ از تحفۃ العلما)

باپ کا بیٹی کے نام خط

خط نمبر 51

محمد دانش

فلاحی اور سماجی سرگرمیوں میں شمولیت

میری سعادت مند بیٹی۔ ہزار ہا دعائیں!

بیٹی! جب آپ عمر کے اس دور میں قدم رکھیں جب آپ اپنی ہمہ وقت مصروفیات اور ذمے داریوں سے کافی حد تک فارغ ہو چکی ہوں۔ اور بچے ہائی اسکول یا کالج جانے کی عمر تک پہنچیں تو کچھ وقت فلاحی سرگرمیوں اور دیگر مشاغل کے لیے بھی نکالا جا سکتا ہے۔ آپ تو جانتی ہی ہیں کہ وقت جیسی نایاب چیز کو ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہیے اور اس کا صحیح استعمال کرنا ہی سب سے بڑی دانش مندی ہے۔ لہٰذا آپ سب سے پہلے یہ فیصلہ کریں کہ آپ اپنی مصروفیات میں جتنا بھی وقت نکال سکیں گی اسے کون سے ایسے کام میں صرف کرنا چاہیں گی جس سے آپ کو زیادہ سے زیادہ خوشی، اطمینان اور ذہنی سکون حاصل ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فلاحی کام کرنے اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کی مدد کر کے جو سکون حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور کام میں نہیں ہوتا۔ ان کاموں میں قرابت داروں کے غم اور خوشیوں میں شریک ہونا، آپس کی رنجشیں اور غلط فہمیاں دور کرنا، ان کے مسائل حل کرنا، رضاکارانہ طور پر بے سہارا لڑکیوں کی شادی کرانا، بیماروں کی عیادت اور ضرورت مندوں کی حسبِ توفیق مدد کرنا، غریب، بے روزگار افراد کو ہنر سیکھنے اور روزی کمانے کے قابل بنانا وغیرہ شامل ہیں۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کیا کرنا چاہیں گی؟ ان کے علاوہ بہت سے ایسے مشاغل ہیں جو آپ آج تک اپنی ہمہ وقت مصروفیت کی وجہ سے نہیں کر سکیں، جیسے مزید تعلیم حاصل کرنا، پڑھنا، کتاب وغیرہ لکھنا یا کوئی بھی ایسا مشغلہ جس کی آپ نے تربیت اور معلومات حاصل کی ہوئی ہوں۔ اپنی ذمّے داریوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ مزید کوئی مشغلہ اپنانے یا سماجی اور فلاحی سرگرمیوں میں حصہ لینے میں مصلحت یہ ہے کہ آپ زندگی کے کسی دور میں بھی تنہائی کا شکار نہ ہوں اور مصروف رہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ بچے بھی اپنی تعلیمی اور دیگر سرگرمیوں کی وجہ سے زیادہ مصروف ہو جاتے ہیں اور انھیں والدین کی ہر وقت توجہ درکار نہیں ہوتی۔ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے فیصلے خود کرنے کے قابل ہونے لگتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں والدین کو بھی چاہیے کہ وہ بچوں کے بڑا ہونے پر ان سے تعاون کریں۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو بچے کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ تاہم! ان پر نظر رکھنا اور بوقتِ ضرورت ان کی رہنمائی کرتے رہنا چاہیے اور اپنے آپ کو بھی سماجی کاموں اور دیگر مشاغل میں مصروف کرتی جائیں۔ اس طرح آپ کے پاس فارغ وقت ہی نہیں ہوگا جسے آپ غیر ضروری سوچوں اور باتوں میں ضائع کریں۔ میں نے اکثر بچوں کو اپنے فارغ والدین سے یہ کہتے سُنا ہے کہ "آپ کے پاس خود تو کچھ کرنے کو ہے نہیں، اس لیے آپ ہمارے پیچھے پڑی رہتے ہیں" وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ فلاحی یا دیگر سماجی کام کرنے سے آپ کو تسکین اور دلی سکون حاصل ہوگا جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ اس ضمن میں سب سے اہم بات آپ کی ذاتی مشاغل میں مصروفیت اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں توازن برقرار رکھنا ہے۔ آپ اپنے مشاغل میں اتنی مصروف نہ ہو جائیں کہ اپنے فرائض پورا کرنے کے لیے وقت نہ نکال سکیں۔

آپ تو جانتی ہی ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ شوہر عموماً اپنے بچے کی طرح توجہ چاہنے لگتے ہیں اور اہمیت نہ دینے کی صورت میں دوسرے راستے تلاش کر سکتے ہیں۔ دوسری جانب بچوں کو بڑے ہو کر بھی قدم قدم پر آپ کی موجودگی اور رہنمائی کی ضرورت رہتی ہے، اس لیے وہ بھی نظر انداز نہیں ہونے چاہئیں۔ لہٰذا اپنی ان ذمّے داریوں کو بہ طریقِ احسن ادا کرنے کے لیے آپ کو اپنے اوقات کار اس طرح ترتیب دینے ہوں گے کہ وقت کا زیاں نہ ہو اور اس کا صحیح استعمال ہو سکے۔

تخلیقی اور تعمیری مشاغل میں منہمک رہنا ایک اچھی خصلت ہے۔ مصروف رہنے سے انسان کئی تفکّرات اور پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اکثر گھرانوں میں دیکھا گیا ہے کہ جب بیٹیاں بڑی ہو جاتی ہیں تو والدہ کو گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتیں۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ قسمت سے بہوئیں خدمت گزار اور سعادت مند مل جائیں تو وہ اپنی ساس صاحبہ کو کام نہیں کرنے دیتیں۔ یوں ہمارے معاشرے کی بزرگ خواتین اپاہج ہو کر رہ جاتی ہیں۔ شروع شروع میں تو وہ بہت خوش ہوتی ہیں اور بہو بیٹیوں پر بڑا فخر کرتی ہیں، لیکن جب یہی آرام طلبی انھیں کئی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے تو انھیں احساس ہوتا ہے کہ تھوڑا بہت کام کرتے رہنا چاہیے، تاکہ جسم متحرک رہے اور جوڑوں میں درد، بلڈ پریشر، خون میں کولیسٹرول کا بڑھنا، جیسے امراض پیدا نہ ہوں اور جسم فربہی کی طرف مائل نہ ہو۔

اسی لیے بیٹی میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو ہمیشہ فعال رکھیں اور بیٹیوں اور بہو کی موجودگی میں بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھی رہیں۔

دعاگو

آپ کے ابو

”ہاں! ہاں! مجھے پتا ہے۔ میری بیوی تو بہت فرماں بردار ہے اور کاموں کی شوقین بھی ہے۔“ بلال شرارت سے بولا۔

آپ بھی نا...!!“ سارہ نے ایک ادا سے کہا۔

❁❁❁

رات کا پہر تھا‘ وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ پاس سوئی ہوئی بیگم کو دیکھا‘ دوپٹے میں لپٹا ہوا چہرہ‘ اس کے نکھار میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔ شادی کو 6 مہینے ہو گئے تھے‘ مگر کبھی کوئی شکایت‘ کوئی فرمائش نہیں کی تھی اس نے۔ ہر معاملے میں فرماں برداری دکھائی تھی‘ لیکن بلال نے ہمیشہ اپنی منوائی تھی۔ سارہ کے لاکھ کہنے کے باوجود ٹی وی دیکھنا نہیں چھوڑا تھا۔ صرف اسے چڑانے کے لیے رات گئے تک ٹی وی دیکھتا تھا۔ اس نے سوچا:

”کیا مجھے سارہ کی پڑھائی پھر سے شروع کروا دینی چاہیے؟ کہیں میں اس کے راستے میں رکاوٹ تو نہیں بن رہا؟“ سوچ سوچ کر بلال کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ آخر کار اسے نیند آ ہی گئی۔

❁❁❁

دسمبر کا مہینا‘ فجر کا وقت اور سخت ٹھنڈ... لیکن سارہ کے لیے ساری مشکلات آسان ہوتی تھیں‘ وہ تو تہجد کی اٹھی ہوئی تھی۔ اب مشکل مرحلہ طے کر رہی تھی‘ یعنی بلال کو اٹھانا... سارہ کا یہی معمول تھا۔ الحمد للہ! زیادہ تر وہ کامیاب ہی ہوتی تھی‘ مگر کبھی کبھار شکست کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

”بلال اٹھیں!! فجر کا وقت ہو گیا ہے۔ مسجد جائیں...!!“ جب کوئی جواب نہ ملا تو سارہ نے پھر کوشش کی۔

”اچھا! اچھا! اٹھ رہا ہوں۔“ اب کی بار کچھ جواب آیا۔

اب وہ امی ابو کو چیک کرنے گئی تھی کہ وہ اٹھ گئے ہیں یا نہیں۔ الحمد للہ! دونوں اٹھے ہوئے تھے۔ ”بیٹا! اگر بلال اٹھ گیا ہے تو اسے بلا دو۔ مسجد جانا ہے نا!!“ سارہ کو دیکھ کر اس کے سسر نے کہا۔ ”جی ابو!“ سارہ نے فرماں برداری سے کہا۔

سارہ دل ہی دل میں بہت خوش تھی۔ کہاں تو ان کے گھر میں کوئی فجر کے لیے نہیں اٹھتا تھا اور کہاں باجماعت نماز...! ماشاء اللہ!

”اللہ استقامت عطا فرمائے۔“ دل ہی دل میں سارہ نے دعا کی۔

❁❁❁

”سارہ! تم نے چوتھے سال کی کتابیں لے لیں؟“ بلال نے پوچھا۔

”کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ وہ خوش گوار حیرت میں گھر گئی۔

”میری پڑھی لکھی بیگم! کتابوں کے بغیر پڑھائی کیسے جاری رکھو گی...؟“ گویا اس کی عقل پر افسوس کیا۔

”کیا آپ مجھے اجازت دے رہے ہیں؟“ سارہ کے چہرے پر حیرانی قائم تھی۔

”ظاہر ہے بھئی! وِلن تھوڑی ہوں۔“ بلال نے اسٹائل مارتے ہوئے کہا۔ ”اُحِبّک...!!“ سارہ نے جذبات میں آ کر عربی میں کہا۔

”کیا کہا...؟؟“ بلال اس کا مطلب سمجھ نہ سکا۔

”کیوں بتاؤں...!!“ سارہ ایک ادا سے کہہ کر نکل گئی۔

❁❁❁

”سنیں...! میری دوست کی منگنی ہے۔ آپ چلیں گے...؟“ سارہ نے بلال سے پوچھا۔

”ہاں ضرور! پتا تو چلے تم کیا پلاننگ کرتی رہتی تھی اس سے پہلے۔“ بلال نے شوخی سے کہا تو سارہ بس مسکرا دی۔

”امی جان! ہمیں آج رات ایک دوست کی منگنی پر جانا ہے۔ اجازت ہے؟“ سارہ نے ادب سے پوچھا۔ ”ہاں بھئی! چلے جانا۔ میں روکنے والی کون ہوتی ہوں؟“ امی کا موڈ خراب لگ رہا تھا۔

(جاری ہے)

ہجرت

بنتِ گوہر

قسط نمبر 13

قسط نمبر 11

مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جنید حسن

مسجدِ قبا سے نکل کر صالح ہمیں قریب ہی وہاں لے چلا' جہاں ایک ساڑھے چار فٹ قریب چھوٹا سا احاطہ سڑک کنارے بنا ہوا ہے اور وہاں سے سڑک کھڑے ہو کر مسجدِ قبا نظر آتی ہے۔ اندر جا کر دیکھا تو تین چار مختصر صفوں کی گنجائش تھی اور دو صفوں میں جائے نمازیں بچھی ہوئی تھیں۔ جب حضور ﷺ قبا پہنچے تھے تو یہاں نماز ادا فرمائی تھی۔ ہم نے بھی تقلید میں وہاں نفل نماز پڑھی اور آگے بڑھ گئے۔

بئرِ غرس: مسجدِ قبا جاتے ہوئے راستے میں ہم بئرِ غرس پر بھی رُکے تھے۔ یہ وہ کنواں ہے' جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے وقتِ وفات یہ وصیت فرمائی تھی کہ انھیں بئرِ غرس کے پانی سے غسل دیا جائے۔ اسی لیے اس کنویں کے پانی کو انتہائی فضیلت ملی۔ یہ ایک بڑا کنواں' جسے سفید رنگ کی ہوئی ایک گول دیوار کے اندر مقیّد کر دیا گیا ہے۔ (اس کا دروازہ بند تھا' مگر ایک سمت موٹی جالی لگی ہوئی تھی' جس سے ہم نے کنویں کو دیکھا۔ اس کا پانی خشک ہو چکا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ:

بئرِ غرس کے راستے میں ہم ایک سڑک سے گزرے تھے' جس کے دائیں جانب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا باغ تھا۔ باغ اب بھی قابلِ کاشت ہے اور اس کے درختوں پر پھل لگتا ہے۔ یہ باغ بہت بڑے رقبے پر مشتمل تھا' مگر صالح نے ہمیں بتایا کہ کچھ سال قبل اسے جگہ جگہ سے کاٹ کر بعض حصے ختم کر دیے گئے ہیں۔ اس نے مزید بتایا کہ جس سڑک پر ہم اس وقت موجود ہیں' یہاں بھی پہلے باغ تھا اور بائیں جانب دیکھیں تو باغ کا بعض حصہ آگے قائم نظر آئے گا۔ اس باغ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ اسے حضرت محمد ﷺ اور حضرات علی اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما نے ایک دن میں لگایا تھا اور اس کے بدلے حضرت سلمان فارسیؓ کو ایک یہودی کی قیدِ غلامی سے آزادی نصیب ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو "ابن الاسلام" کے سنہری لقب سے نوازا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا ننھیال اور نواسے حضرت حسنؓ کا گھر: مسجدِ قبا سے اور آگے بڑھے تو ایک چھوٹا سا قطعہ اراضی ہمارے سامنے تھا' جس کے اطراف لوہے کی باڑ لگا کر' اسے محفوظ کیا گیا ہے۔ صالح نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ننھیال کا محلّہ ہے اور محلے کا سرخیل اس گھر کی باقیات ہیں' جو آپ ﷺ کے نانا نانی کا تھا۔ اندر مکانات تو وقت کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے ہیں' لیکن ایک بڑا مکان (جو قریباً ایک ہزار گز پر مشتمل ہو گا) کی تزئین وآرائش کر کے محفوظ کیا ہوا ہے اور یہ ایک تابعی حضرت عروہ بن زبیر کا ہوا کرتا تھا۔ محلے کا ایک داخلی دروازہ بھی دکھائی دیا اور ساتھ ہی ایک وارننگ بورڈ بھی نظر آیا' جس پر تنبیہہ تھی کہ یہاں داخل ہونا خلافِ قانون اور قابلِ تعزیر ہے۔ وہاں سے چلے تو صالح کے بقول حضرت امام حسنؓ کا گھر آ گیا۔ یہ مدینہ میں "الاسیفرین" (Al-asaifarin) نامی علاقے میں واقع ہے۔ یہ اینٹوں اور پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ اندرونی سمت سے دروازے کے دائیں طرف ایک اور بائیں طرف دو کمرے بنے ہوئے نظر آئے۔ دروازہ تھوڑا کھلا تھا۔ ہم نے دروازے کے اندر جھانک کر دیکھا۔ عمارت کے قریب ایک کنواں بھی ہے' جس سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانی لیا کرتے تھے۔ اس پورے خطے کو بھی ایک لوہے کی باڑ میں محفوظ رکھا گیا ہے اور داخلہ بند ہے۔ آپؓ کا گھر آج بھی اچھی حالت میں موجود ہے۔ یہ سچ ہے کہ مجھے حضورِ اکرم ﷺ کے ننھیال اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے گھر کی لوکیشن کا علم تھا اور نہ ہی ان کی سلامت حالت میں ہونے کا' لیکن ان دونوں جگہوں کو جس طرح لوہے کی باڑیں لگا کر محفوظ کیا گیا ہے' اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں خاص تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(جاری ہے)

ROYALE GROUP

Super Kote®
PAINT

سندھ میں ٹوکن کے بغیر رنگ بنانے والی پہلی اور پاکستان کی دوسری کمپنی

رویال پینٹ (سپر کوٹ)

کراچی کے عوام کو مہنگائی سے نجات دو پینٹ کے تمام ڈبوں سے ٹوکن ختم کرو

"حضراتِ اکابرین سے دعاؤں کی درخواست"

کہ اللہ پاک ہمیں استقامت دے اور رنگ سازوں کے شر سے ہمیں محفوظ رکھے اور ہم سب کو حلال رزق کمانے کی توفیق دے۔ آمین

مساجد اور مدارس کے لئے خصوصی رعایت۔

سپر کوٹ اب نئے اور کم دام میں طلب کریں۔

PLASTIC EMULSION		MATT FINISH		STAINLESS	
~~1400~~ Gallon	1100 Gallon	~~2650~~ Gallon	2350 Gallon	~~2600~~ Gallon	2300 Gallon
~~5400~~ Drum	4200 Drum	~~10,400~~ Drum	9200 Drum	~~10,200~~ Drum	9000 Drum
WEATHER SHELTER		**FILLING PUTTY**		**OIL PRIMER SEALER**	
~~2300~~ Gallon	2050 Gallon	~~950~~ Gallon	650 Gallon	~~1950~~ Gallon	1650 Gallon
~~9000~~ Drum	8000 Drum	~~3600~~ Drum	2400 Drum	~~7600~~ Drum	6400 Drum
ENAMEL		**W.BASE PRIMER**			
~~2550~~ Gallon	2250 Gallon	~~1750~~ Gallon	1450 Gallon		
~~10,000~~ Drum	8800 Drum	~~6800~~ Drum	5600 Drum		

FOR FREE DELIVERY
0335-2967871
0313-2329526

ٹوکن کی رقم گیلن پر 400 روپے اور ڈرم پر 1600 روپے خریدار کیوں دے؟

Royale Paint Industries (Pvt.) Ltd.

info@superkotepaint.com /superkotepaint www.superkotepaint.com

بھالو کی نصیحت

بنت فاروق محمود

یہ کہانی دو دوستوں کی ہے۔ دونوں بہت پکّے دوست تھے، لیکن دونوں کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ایک کا نام بلال اور دوسرے کا نام راحیل تھا۔ بلال انتہائی جلد باز اور خود غرض تھا، وہ اپنی جلد بازی میں کوئی بھی اوٹ پٹانگ حرکت کر جاتا تھا۔

ایک مرتبہ اسکول جلدی پہنچنے کی کوشش میں یہ صاحب اسکول کا جوتا اور گھر کی چپل پہن کر چلے گئے اور بھی کئی جلد بازی کے قصے تھے۔ اس کے مقابلے میں راحیل انتہائی سمجھ دار اور پُر خلوص انسان تھا۔

یہ لوگ بچپن سے ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ آپس میں کھیل کود کر پلے بڑھے تھے۔ آئے دن یہ دوست تفریح کا پروگرام بناتے رہتے۔ کبھی فشنگ کرتے تو کبھی تیراکی کرتے تو کبھی ہل اسٹیشن تو کبھی کہاں۔ اس بار جب دونوں دوست جمع ہوئے کہ اس بار کہاں جایا جائے؟

بلال نے کہا: ''یار! ایسا کرتے ہیں کہ نانگا پربت چلتے ہیں، وہاں نئے ٹریکس تیار ہوئے ہیں، وہاں جا کر ہائیکنگ (Hicking) کریں گے۔''

راحیل نے کہا: ''نہیں، بھئی! یہ ٹریکس تو بندے کو دوسری دنیا لے جاتے ہیں۔''

''اچھا! تو پھر لاہور چلیں۔۔۔؟'' بلال نے کہا۔

''نہیں، بھئی! اس کے راستے تو مجھے ازبر ہو گئے ہیں۔ آنکھ بند کر کے وہاں کی سیر کر سکتا ہوں۔'' راحیل نے کہا۔

''یہ بھی سیدھا دوسری دنیا کا راستہ ہوگا۔'' بلال نے کہا۔

خیر! دونوں میں گرما گرم بحث ہوتی رہی کہ کہاں جائیں۔

''ایسا کرتے ہیں، ہمارے گاؤں کے قریب ایک گھنا جنگل ہے اُدھر چلتے ہیں۔'' راحیل بولا۔

بالآخر بلال بہت بحث کے بعد مان گیا کہ چلو وہیں چلتے ہیں۔ یہ طے ہو گیا کہ ہفتے کے دن دونوں اپنی اپنی تیاریوں کے ساتھ آئیں گے اور صبح سویرے ہی نکل جائیں گے، تاکہ جلدی پہنچ سکیں۔

ہفتے کے دن سات بجے دونوں جیپ میں نکلے۔ راحیل کے پاس بڑا سا بیگ تھا، جبکہ بلال خالی ہاتھ تھا۔

''ارے، راحیل! یہ تم اس بڑے سے بیگ میں کیا بھر کر لائے ہو؟'' بلال بولا۔

''بھوسا۔۔۔! بھئی کام کی چیز لاؤں گا نا۔'' راحیل نے جواب دیا۔

دونوں جنگل کے پاس پہنچ گئے۔ جیپ سے اترے اور جنگل میں گھس گئے۔ جنگل کافی بڑا تھا۔ چڑیوں کی چوں چوں، کوّوں کی کائیں کائیں، کوئل کی کوک تھی۔۔۔ ہر طرف خوش گوار سا سماں اور بڑا اچھا ماحول تھا۔

یہ دونوں چلتے چلتے کافی دور نکل گئے۔ اتنے میں راحیل کو خیال آیا کہ ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب واپسی کرنی چاہیے، لیکن یہ کیا۔۔۔؟ واپسی کے لیے راستہ ہی سجھائی نہیں دے رہا، ہر طرف درخت ہی درخت ہیں، اتنے میں اچانک دونوں کو کسی جانور کے غرّانے کی آوازیں آئیں۔ دونوں نے آواز کی جانب دیکھا تو وہاں ایک خوں خوار بھالو کھڑا نظر آیا۔ بلال نے دائیں دیکھا نہ بائیں، انتہائی خود غرضی سے بھاگ کر ایک درخت پر چڑھ گیا (کیوں کہ اس کو درخت پر چڑھنا آتا تھا اور راحیل درخت پر چڑھنے سے نابلد تھا)۔ راحیل سوچنے لگا کہ اب وہ کیا کرے۔۔۔؟ وہ تھوڑی دور بھاگا، لیکن پیچھے مڑ کر دیکھا تو بھالو بہت تیزی سے قریب آتا جا رہا تھا، اس نے بلال کی طرف دیکھا تو وہ درخت پر چڑھا ہوا تھا اور بھالو اسی کی جانب آ رہا تھا۔

راحیل نے فوراً دماغ چلایا اور اپنا بیگ کندھے سے اتار کر زمین پر رکھا اور اس میں سے فولڈنگ اسٹیئرز (folding stairs) یعنی تہہ زدہ سیڑھیاں نکالیں، جو کہ ایسے ہی کسی موقع کے لیے تھیں، اسے کھول کر جلدی جلدی اس پر چڑھ کر درخت کے اوپر پہنچ گیا اور سیڑھی اوپر کھینچ لی

بلال یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، وہ تو سوچ رہا تھا کہ ابھی یہ زمین پر لیٹ کر سانس روک لے گا اور بھالو اسے سونگھ کے مردہ سمجھ کر چلا جائے گا،

بھالو درخت کے قریب آکر غرّانے لگا، لیکن بے سود۔۔۔ بھالو نے جب یہ دیکھا کہ شکار اس کی پہنچ سے دور ہے اور انگور کھٹے ہیں کے مصداق ہے تو وہ کسی دوسری طرف نکل گیا۔ پھر دونوں دوست اپنے اپنے درختوں سے اترے اور ایک دوسرے کے پاس آئے۔

بلال اپنی حالت اور خود غرضی پر شرمندہ تھا اور معافی مانگنا چاہتا تھا، لیکن اس نے کہا'' یہ بھالو تمھیں کیا کہہ رہا تھا؟''

''بھالو یہ کہہ رہا تھا کہ ''وہ شخص دوست نہیں، جو مصیبت میں ساتھ چھوڑ دے۔'' راحیل نے کہا۔

یہ سن کر بلال اور بھی شرمندہ ہوا، پھر راحیل نے اپنے بڑے سے بیگ سے ایک جی پی ایس نکالا اور اپنے گھر کے راستے ہو لیے۔ اچانک راحیل کو کچھ یاد آیا اور وہ بولا:

''ہاں! اس بھالو نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ ''کہیں جاؤ تو اپنی تیاری اور بچاؤ کا سامان لے کر جاؤ کہ وہاں جا کر تمھیں کسی دوسرے کی مدد کا محتاج نہ ہونا پڑے۔''

تو دوستو۔۔۔! ہمیں بھی اس سے یہ سبق حاصل ہوا کہ کبھی بھی خصوصاً آج کے زمانے میں کسی پر بھروسا نہ کریں، خاص کر اپنے قریبی دوستوں کے معاملے میں خاص احتیاط کرنی چاہیے، کیوں کہ گھر کا بھیدی ہی لنکا ڈھاتا ہے اور بالکل اس شعر کے مصداق ہو جاتا ہے:

اپنوں نے غم دیا غیروں میں کہاں دَم تھا
کشتی وہاں ڈوبی جہاں پانی کم تھا

دینو بالی

شکار پور کے ایک گاؤں میں دینو گوالا رہتا تھا۔ دینو کی گائے بہت پیاری تھی۔ سفید اور کالی گائے دیکھ کر سب کو پیار آتا تھا۔ دینو اسے لاڈ سے بالی کہتا تھا۔ دینو کا گھر چھوٹا تھا، مگر صحن بہت بڑا تھا، جس میں امرود کا ایک درخت تھا، جہاں وہ بالی کو باندھ دیتا تھا۔ بالی درخت کے نیچے سارا سارا دن جُگالی کرتی، دُم ہلاتی اِدھر اُدھر دیکھتی۔ کبھی اٹھتی، کبھی بیٹھتی اور جب دینو اور اس کی بیوی کام کرتے پھرتے تو انھیں دیکھتی رہتی تھی۔ بھوک لگتی تو "بھَیں بھَیں" کرنے لگتی تھی۔ دینو اپنی گائے بالی کا بڑا خیال رکھتا تھا، وہ اسے تازہ چارہ وقت پر دیتا تھا۔ دینو گوالے کی گائے کے دودھ کو سب پسند کرتے تھے۔ گاڑھے گاڑھے دودھ کو چھوٹے، بڑے، بچے، سب شوق سے پیتے تھے۔ گاؤں کی عورتیں دینو کی گائے کے دودھ کی چائے بہت اچھی بناتی تھیں اور مرد حضرات، بالی گائے کے دودھ کے دودو گلاس لسّی کے غٹاغٹ پی جاتے تھے۔ بالی کے دودھ سے دہی، مکھن، چھاچھ سب ہی لذیذ بنتے تھے۔ گائے بالی، دینو سے بہت خوش تھی، کیوں کہ دینو اس سے پیار کرتا تھا اور اس کی صفائی ستھرائی کا بھی خیال رکھتا تھا۔ دینو ہر سہ پہر کو گاؤں کے مویشیوں کے ساتھ اپنی بالی کو بھی چراگاہ لے جاتا تھا۔

گاؤں سے دور ہری بھری یہ چراگاہ بالی کو بہت پسند تھی، یہاں ہر طرف پھول کھلتے تھے۔ اس چراگاہ کے دونوں طرف ندی تھی۔ انار، آم، آڑو کے بے شمار درخت لگے ہوئے تھے۔ پیپل کے سایہ دار گھنے درختوں سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں۔ پرندوں کے شور سے چراگاہ میں بڑی رونق تھی۔ دینو کی گائے سب جانوروں کے درمیان کھڑی ملکہ لگتی تھی۔ دینو نے اس کے گلے میں ایک چھوٹی سی گھنٹی باندھ رکھی تھی، جو "ٹن، ٹن، ٹن" بجتی رہتی تھی۔ دینو کی گائے بالی کے دُنبے، بھیڑ، بکریاں اور دوسری گائیں، بیل سب ہی دوست تھے، وہ سب مِل جُل کر رہتے تھے۔

دینو کا ایک پیارا سا گول مٹول بیٹا تھا، جو ابھی 6 ماہ کا تھا۔ دینو کی بیوی بشیراں اسے چارپائی پر پیار سے تھپک تھپک کر سلاتی اور پھر گھر کے کاموں میں لگ جاتی تھی۔ بالی دور کھڑی دینو کے بیٹے کی رکھوالی کرتی تھی، کیوں کہ وہ نیند میں اچانک ڈر جاتا اور بھوک لگنے کی وجہ سے بِلک بِلک کر رونے لگتا تو بالی "بھَیں بھَیں" کر کے بشیراں کو آواز دیتی اور اپنا سر بار بار گھماتی۔ جب گھنٹی بجتی تو دینو کا مینو خاموش ہو جاتا، اسے گھنٹی کی آواز اچھی لگتی تھی۔ اتنے میں مینو کی ماں دوڑی چلی آتی، اسے چومتی، سہلاتی، دودھ پلاتی پھر ہولے ہولے سے اسے کروٹ پر کر کے تھپکی دیتی تو وہ سو جاتا اور اس کے دائیں بائیں چھوٹے چھوٹے تکیے بھی لگا دیتی تھی۔ اگلے دن سورج نکلنے کے بعد مینو کا تیل سے جب مساج کرتی تو وہ قلقاریاں مار کر ہنستا تھا۔ دور کھڑی بالی، مینو کو ہنستا ہوا دیکھ کر خوش ہوتی تھی، پھر مینو کی ماں اسے نہلاتی، صاف ستھرے کپڑے پہناتی تو بالکل ایک ننھا شہزادہ لگتا۔ مینو جیسے جیسے بڑا ہو رہا تھا، دینو گوالا اب اپنی بالی گائے سے غافل ہوتا جا رہا تھا، وہ اپنے مینو سے گھنٹوں کھیلتا، کبھی بندر بنتا، کبھی گھوڑا تو کبھی ہاتھی بن کر مینو کو اپنی پیٹھ پر بٹھاتا اور صحن میں گھومتا پھرتا تھا، اسی کھیل کود میں دینو گائے بالی کو تازہ چارہ دینا بھول جاتا۔ بالی بھوکی رہنے لگی، وہ غصّے سے پیر پٹختی، دُم اپنی کمر پر دائیں بائیں کر کے دھڑا دھڑ مارتی اور "بھَیں بھَیں" کر کے شور کرتی، مگر دینو کو اس کی ذرا بھی فکر نہ ہوتی۔ صبح

سویرے جب گائے کا دودھ کم اور پتلا سا دیکھتا تو اسے بالی پر بہت غصّہ آتا۔ وہ بڑبڑاتا: ''اتنا کم دودھ دیا ہے۔ اپنا پیٹ کاٹ کر اسے کھلاؤ پلاؤ' اس کا فائدہ کیا ہوا؟'' وہ بالی کو اب چراگاہ بھی بہت
کم لے جاتا تھا۔ مینو اب تین سال کا ہو چکا تھا' وہ دونوں صحن میں دوڑتے' ایک دوسرے کو پکڑتے اور ہنستے اور دور کھڑی بھوکی بالی اداس سی نظروں سے دینو کو دیکھتی رہ جاتی۔ ایک دن دینو
اپنے بیٹے' گائے بالی اور دوسرے گاؤں کے مویشیوں کو چراگاہ لے گیا' جہاں بالی نے اپنے دوستوں سے گلہ کیا۔ ''دینو اب بدل گیا ہے۔ وہ مجھے وقت پہ چارا نہیں دیتا۔ میں دودھ کم دیتی
ہوں تو وہ بڑبڑاتا ہے' غصّہ کرتا ہے' کبھی کبھار تو مجھے مارتا بھی ہے۔''

بکری فوراً بولی: ''بالی آپا! واقعی تم ڈھیلی پڑ گئی ہو۔ بہت کمزور لگ رہی ہو۔ آپا! اگر تم بیمار پڑ گئیں تو تمہارا کیا ہو گا؟''

''کیا کروں بہن! میں بے بس ہوں۔ مجھے دینو نے غلام بنا رکھا ہے۔ میرے دودھ سے گاؤں کے سارے بچے پلے بڑھے ہیں۔ میرا دودھ بچوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ بچے میرے دودھ
سے بنے دہی' لسّی' مکھن اور پنیر میرے بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ خود اس کا بیٹا مینو میرے دودھ سے بنی مزے مزے کی کھیر کھا کر بڑا ہوا ہے۔ میری اتنی خدمات پر بھی دینو اب میرا
خیال نہیں رکھتا۔'' وہ یہ کہہ کر رونے لگی۔ بھیڑ نے اسے دلاسا دیا: ''بہن! تم صبر کرو۔ دینو کا بیٹا مینو بڑا ہو کر تمہارا بڑا خیال کرے گا۔'' ایک سال بعد مینو کی دوستی بالی سے ہو چکی تھی'
وہ بالی کی دُم سے کھیلنے لگا تھا۔ اب تو وہ بالی کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا' اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے تازہ چارہ کھلاتا۔ ایک دن اس نے دینو سے کہا: ''بابا! بالی پہ غصّہ مت کیا کرو۔ تازہ چارہ دو
گے تو وہ گاڑھا گاڑھا دودھ دے گی نا۔'' دینو' مینو کی بات سن کر سوچنے لگا: ''واقعی! بالی جب تازہ چارہ کھاتی تھی تو گاڑھا دودھ دیتی تھی۔'' دینو نے پھر سے مینو کے ساتھ بالی کا خیال رکھنا
شروع کر دیا۔ اب بالی پہلے کی طرح دودھ دیتی ہے۔ اب دینو نے اپنی دکان کھولی ہے' جہاں بالی کے دودھ کا مکھن' لسّی اور پنیر لوگ شوق سے خریدتے ہیں۔

لغت

غافل: بے خبر	مساج: مالش	صبر: برداشت

بقیہ

سنو اور جواب دو

دوسری بار جب امی کی کال آئی تو حمیرا کا لہجہ تھوڑا اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ امی سارا مسئلہ سمجھ چکی تھیں۔ وہ مسئلے کا حل بھی
تلاش کر چکی تھیں۔ ''دیکھو! میری پیاری بیٹی! تمہاری شکایت ہے کہ تمہاری اولاد کے کانوں میں تمہاری آواز نہیں
پڑتی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ آج تم نے پورے دن میں کتنے وقت کی نماز پڑھی؟''

''الحمدللہ! پانچوں وقت کی۔'' حمیرا نے جواب دیا۔ ''اور کتنی اذانوں کا جواب دیا؟''

امی کے اس سوال نے حمیرا کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔ آج تو کیا حمیرا نے تو کبھی بھی کسی بھی اذان کا جواب
دینا ضروری نہیں سمجھا۔

''جب میرا رب تمہیں نماز کے لیے آواز دیتا ہے تو کیا تمہارے کانوں میں اس کی آواز پڑتی ہے؟'' حمیرا کو تو جیسے سانپ
سونگھ گیا ہو۔ ''جب تم اپنے خالق کی آواز کا جواب نہیں دیتی تو تمہاری اولاد تمہاری آواز کا جواب کیوں کر دے گی۔ ان
بچوں نے ساری عمر تمہیں اذان سنتے نہیں دیکھا تو وہ تمہاری بات کیسے سنیں گے؟''

''برا نہ مناؤ تو یہ بھی کہوں گی' یہ نافرمانی انھوں نے اور کسی سے نہیں' بلکہ اپنی ماں سے ہی سیکھی ہے۔'' امی کی باتیں
حمیرا کے دل پر لگ رہی تھیں۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج کے بعد وہ ہر اذان کا جواب دے گی۔ اب اس نے یہ معمول
بنا لیا' بلکہ اب تو اگر بچے بھی اسے کچھ کہہ رہے ہوتے تو ان کی بات سننے کی بجائے اذان سننے اور اس کا جواب دینے کو
فوقیت دیتی۔

حمیرا کے اندر جنم لینے والی اس تبدیلی کا اثر آہستہ آہستہ بچوں پر بھی نمایاں ہونے لگا' جب اس نے رب کی آواز سنی اور اس
کا جواب دینا شروع کر دیا تو بچوں نے بھی اپنی ماں کی آواز سنی اور جواب دینا شروع کر دیا' اب بچے اپنی ماں کی بات بھی
مان رہے تھے' اس لیے کہ ان کی ماں نے رب کو راضی کر لیا تھا۔

فقیر سُنار

ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی

آفتاب سنار کی شہر کے امیر ترین علاقے میں ایک بڑی دکان تھی' قریب ہی زیور بنانے کا ایک کارخانہ بھی تھا۔ وہ پانچ بیٹوں اور ایک بیٹی کا باپ تھا۔ بیٹی کی شادی کرنے کے بعد وہ اپنے پانچ بیٹوں کو کاروبار سکھانے میں سخت محنت کر رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ کمانے کے گُر سکھا رہا تھا۔ مال بڑھانے کے طریقے بتاتا تھا' اس کا سب سے بڑا بیٹا اٹھائیس برس کا اور سب سے چھوٹا لڑکا پندرہ برس کا تھا۔ چھوٹا بیٹا سحاب اعلیٰ تعلیم کا شوقین تھا' جب کہ باپ کو اپنا کاروبار چلانے اور بڑھانے کے لیے قابل اعتماد مضبوط سہاروں کی ضرورت تھی' ایسے میں وہ ایک بیٹا بڑے چمکتے کاروبار سے ہٹا کر ''ضایع'' کرنے کا روادار نہ تھا' جب کہ سحاب نے صاف صاف کہہ دیا تھا ''ابّا! میں اس کام کو پسند ہی نہیں کرتا' ایک رتّی کا نقصان کسی کو دے کر میں رتّی بھر نفع چوری یا بے ایمانی سے نہیں کما سکتا۔ آپ کے کارخانے سے تو کچرا بھی سونے کا نکلتا ہے' مگر ہم کو حق نہیں کہ ہم کسی کو گھاٹا دیں۔'' سحاب نے بیزاری سے کہا۔

''ہاں بیٹا! جب اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا پینا مل رہا ہو' دو' دو گاڑیاں کھڑی رہیں تو ایسی اعلیٰ باتیں اور عمدہ خیالات ہی آتے ہیں۔ بھلا رتّی بھر مال کم ہونے سے کسی کو کیا فرق پڑتا ہے؟ مگر ہمیں وہی نفع مل جاتا ہے۔ آخر اس میں حرج کیا ہے۔ باپ نے سختی اور پیار کو ملا کر سحاب کو قابو میں کرنے کی کوشش کی۔

''مگر ابّا! جمعے کے خطبے میں مولوی صاحب نے کہا تھا کہ ''اللہ نے کہا ہے ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔ ذرا سا بالکل معمولی سا اناج ترازو میں وزن کی گڑبڑ کر کے ایک سکّہ کمانے کا عذاب ایسا ہے کہ پوری کائنات کے توازن میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔'' سحاب نے مولوی صاحب کے الفاظ دوہرائے۔

''آئندہ نماز کے لیے تم دوسری مسجد میں جاؤ گے وہاں نہیں!'' آفتاب نے عمر مسجد کی سمت اشارہ کیا۔

''مگر ابّا! وہ تو میرے استاد ہیں! قرآن آپ نے وہیں سے پڑھوایا تھا مجھے۔'' وہ بے چینی سے بولا۔

''مگر اب میں نے ہی منع کر دیا ہے! اب تم وہاں نہیں جاؤ گے اور ہاں... سزا یہ ہے کہ اب تم دال چاول ہی بیچو گے میں تمہاری تعلیم چھڑوا رہا ہوں میٹرک بہت ہے۔ بڑے نے تو پانچویں تک ہی پڑھا ہے تم کو کون سا پروفیسر لگنا ہے؟ اور اس ملک میں استاد کی عزت بھلا کتنے شاگرد کرتے ہیں؟'' آفتاب نے غصے سے کہا۔

اگلے ہفتے ہی سحاب کو جنرل اسٹور کھلوا دیا گیا۔ اس ہدایت کے ساتھ کہ صرف نفع کمانا ہے گھاٹا نہیں ہونا چاہیے! سحاب کے پاس کوئی سخت ضرورت مند آتا تو اس کے ترازو کا وزن گھٹ جاتا اور اناج کا وزن بڑھ کر جھک جایا کرتا تھا۔ پھر اللہ کے وعدے کے مطابق اس کی راہ میں خرچ کرنے سے اس کا مال بڑھ جاتا۔ لوگوں کی دعائیں بھی ملتیں یوں کچھ ہی عرصے میں اس کی ایمانداری کی شہرت ہو گئی اور اس کا ضمیر مطمئن ہو گیا کہ اب اس کا جسم حرام پہ نہیں حلال رزق پر پل رہا ہے' وہ خود محنت کر رہا ہے اور حلال کھا رہا ہے۔

آج آفتاب نے دوپہر سے ہی اپنے نوٹوں کی گڈیاں بنا لیں تھیں' وہ گن گن کر خوش ہو رہا تھا کہ آج کا دن بڑا ہی منافع بخش اچھا اور مصروف بلکہ بے حد تھکا دینے والا بھی تھا۔

شام کو جب آفتاب اپنا کارخانہ بند کر رہا تھا تو اس کے بڑے بیٹے مستجاب نے بڑے شوق سے فرمائش کی۔

''ابّا یہ جو سامنے بڑی مسجد ہے نا؟ یہاں کوئی مشہور مولوی آ رہا ہے۔ سنا ہے تبلیغ پہ آیا ہے بہت اچھا بولتا ہے ذرا سن لیتے ہیں آج؟ مجھے اس کو دیکھنے کا بہت شوق ہے۔'' مستجاب نے باپ سے کہا۔

''نہ تو آج جمعہ ہے نہ ظہر کا وقت! شام کو کون سا وعظ ہوتا ہے؟ پاگل بنا رہے ہیں یہ!

گھر چل بیٹا! مجھے تھکن ہے بہت! میں رکنے والا نہیں ہوں!'' آفتاب نے دو ٹوک انداز میں فیصلہ سنایا۔

''اچھا ابا آپ گھر جائیں میں تقریر سن کر آجاؤں گا۔'' مستجاب نے پھر فرمائش کی، مگر آفتاب یہ غلطی کرنے کو تیار ہرگز نہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں مولوی کا اثر بڑے بیٹے پر بھی نہ ہو جائے کہ بڑا بیٹا تو اس کا دایاں بازو تھا۔ جس کے بغیر نہ کاروبار چلتا تھا نہ کوئی بے ایمانی جعل سازی۔ لہٰذا آفتاب نے اس کی شدید خواہش رد کرنے کے بجائے اس کی ''حفاظت'' کرنے کے لیے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

''چلو چلتا ہوں ساتھ! ان مولویوں کے ڈرامے ہیں یہ سب۔ اب یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں کا خطیب جاہل ہے کیا؟؟ اور سنو! آدھے گھنٹے میں اٹھ جانا! میری کمر دکھ رہی ہے دن بھر کتنا کام تھا یہاں! مجھے اب چار آدمی کم لگ رہے ہیں تم دو اچھے لڑکوں کی تلاش کرو! کام کا دباؤ بڑھ گیا ہے بہت!'' آفتاب نے کہا۔

بیٹا خوش ہو گیا تھا دونوں نے اس بہانے مغرب کی نماز بھی ادا کر لی تھی ورنہ ہوتا یوں تھا کہ دو تین جمعے خالی گزار کر وہ باری باری نماز پڑھا کرتے تھے۔

تقریر شروع ہوئی تو مولوی صاحب نے بتایا ہمارے محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ''فقر میرا فخر ہے۔'' میں اس کی تفصیل بعد میں بتاؤں گا پہلے سورۃ ھمزہ کی آیت سمجھ لیں، قرآن کا یہ واحد مقام ہے جہاں اللہ نے غصے سے آگ کو ''اللہ کی آگ'' کہا۔ حضرات سوچیے وہ کیا بات اور کیا چیز ہے، جس پہ غصہ ہے اللہ کو؟'' مولوی صاحب نے سوچنے کی دعوت دی تو لوگ سورۃ ھمزہ منہ ہی منہ میں دوہرانے لگے، مگر مطلب کسے آتا تھا؟ کوئی بھی نہ جان سکا کہ کون سی آگ اور اللہ نے کیوں؟ کس وجہ سے بھڑکائی۔

''آپ ہی بتا دیجیے؟ دوسری قطار میں بیٹھے خوش لباس شخص مستجاب نے بے چینی سے پوچھا!

مولوی صاحب نے اثبات میں سر ہلایا اور بولے ''یہ وہ شخص ہے جو مال جمع کر کر کے رکھتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا ہرگز نہیں! وہ شخص تو (توڑ پھوڑ کر) چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینکا جائے گا اور تم کیا جانو کہ وہ کچل کر چورا چورا کر دینے والی جگہ کیا ہے؟؟ اللہ کی آگ جو خوب بھڑکائی جائے گی اور دلوں تک پہنچے گی۔'' مولوی صاحب اتنا بتا کر گویا جم گئے تھے لوگ چپ کے چپ رہ گئے مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ بولے ''یہ سب بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی یہ اللہ کے الفاظ ہیں۔ یہ بات براہِ راست اللہ نے بتائی میں صرف آپ تک پہنچا رہا ہوں مجھے بیچ سے ہٹا دو بھائیو! اور اب پھر سنو کہ اللہ نے تم سے کیا کہا؟ مطلب ہے کہ جو مال اس طرح جمع کر کے گن گن کے رکھتا ہے جیسے قیامت تک اس کے پاس ہی رہے گا۔ کیا وہ مال چھوڑ کر چلا نہیں جاتا؟ قبر میں کس کے ساتھ جاتا ہے مال؟ ایسا آدمی چورا چورا کر دینے والی جگہ میں پھینک کر جلا دیا جائے گا اللہ کی آگ میں، جو اس کی کھال گوشت سب کو جلا کر اس کا دِل تک جلا ڈالے گی جس میں اللہ نہ تھا بلکہ اُس دل میں مال کی محبت اور روپے کا پیار تھا صرف! پھر وہ اس محبت میں اس روپے کو گن گن کر رکھا کرتا تھا۔'' تقریر جاری تھی آدھا گھنٹہ گزر گیا تھا آفتاب کی کمر کا درد دل میں چلا گیا تھا اور وہ جانا تو کیا؟ ہلنا بھی بھول گیا تھا۔ روپے کی محبت مال بڑھائے جانا گن گن کر پیار سے رکھنا نکال نکال کر دیکھتے رہنا! مسلمان ہو کر بھی وہ یہی سب تو کر رہا تھا۔ پھر تیز آواز ابھری اور آفتاب خیالات سے باہر آگیا۔ ''ہمارے نبیؐ نے کہا فقر میرا فخر ہے۔''

آپ میں سے کون بتائے گا فقر کیا ہے؟'' مولوی صاحب کے پوچھنے پہ بہت سے لوگوں نے مختلف جواب دیے مگر کوئی صحیح نہ بتا سکا۔ ''حضرات فقر کے لغوی معنی ہیں افلاس۔ مگر اصطلاح میں فقر کہتے ہیں قناعت کرنے کو، توکل کو۔ توکل اور بھروسے کو فقر کہتے ہیں۔ بھروسا کیا ہے؟ بھروسا یہ ہے کہ انسان نظر آنے والے اسباب سے زیادہ، اللہ کی طرف سے پیدا ہو جانے والے اسباب کا زیادہ یقین کرے یعنی ظاہری سبب بھی وہی دیتا ہے اور ظاہری سبب ختم ہو تو نئے اسباب بھی وہی پیدا کر ڈالتا ہے جہاں سے چاہے اسباب پیدا کرتا ہے وہ، جب بھی چاہے!!'' لوگ غور سے سن رہے تھے پھر مولوی صاحب بولے ''فقیر کو اسباب ہونے یا نہ ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ فقیر کے آگے کئی جہانوں کی دولت بھی رکھ دی جائے تو وہ ٹھکرا دیتا ہے۔ عیش آرام نہیں لیتا۔ وہ کبھی قبول نہیں کرتا دنیا کی چمک اور عیش کی دعوت کو! اگر یہ کردار پیدا ہو جائے تو دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور لوگو!! جس کے دل کی دنیا بدل جائے اس پر اللہ کی آگ حرام ہو جائے گی، وہ آگ میں نہیں جائے گا۔ کیوں کہ جس کے دل میں دنیا نہیں چمکے گی عیش کی طلب نہ ہو گی فخر جتانے کا شوق نہیں ہو گا تو نہ وہ لالچی ہو گا نہ ظلم کرے گا نہ فخر کر کے غرور و تکبر کرے گا نہ ہی دوسروں کو حقیر سمجھے گا۔ پھر وہ شخص مال اکٹھا کر کر کے بار بار اس کو نکال کر محبت سے نہیں دیکھتا رہے گا نہ یہ سوچے گا کہ یہ مال تو ہمیشہ میرا ہی رہے گا۔ بلکہ وہ مال کا مالک اللہ کو سمجھے گا پھر اس مال سے لوگوں کے کام آئے گا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے حضرات... کہ اللہ کا خوف اور قناعت رب پر بھروسا اس کو حرام کا ایک ذرہ بھی کھانے سے روک دے گا۔'' میں ایک ذرّہ کہہ رہا ہوں بھائیو! حرام کا ایک ذرّہ بھی مہلک سمجھو!! اللہ کی اُس آگ سے ڈرو جو کچل ڈالے گی!'' تقریر جاری تھی اور آفتاب سر سے پاؤں تک پسینے سے بھیگ گیا تھا!!

''ابا چلیں؟ دعا بھی ہو گئی اب تو؟'' مستجاب حیرت زدہ ہو کر ابا کو دیکھ رہا تھا!

''ہاں؟ اچھا... چلو!'' آفتاب نے مَری ہوئی آواز میں کہا۔

''ابا ڈاکٹر کے ہاں چلوں؟'' میں نے تھکا تھکا کر آپ کی تکلیف بڑھا دی ہے آپ تو پسینے میں بھیگ گئے ہیں ابا!'' مستجاب نے گھبرا کر کہا۔

''نہیں! گھر ہی چلو!'' وہ بڑی مشکل اٹھا! اس کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس پسینے کے ذریعے اس کے اندر بھرا ہوا لالچ ہوس بے حسی اور بے ایمانی بھی پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل کے گر رہی ہے۔ آج اس کے دل کی دنیا بدل گئی تھی! آفتاب اب ایسا فقیر بن گیا تھا جو سنار تو تھا مگر اس کا اندر مفلس ہو گیا تھا۔ وہ قناعت سے بھر گیا تھا۔ فقر سے بھر گیا تھا کاروبار تو اب بھی چمک رہا تھا مگر اب لالچ اور بے ایمانی کی جگہ برکت نے لے لی تھی!

آج سب بچے چاچو کے ساتھ چڑیا گھر کی سیر کو گئے ہوئے تھے۔ بچوں کو بہت مزہ آ رہا تھا' ان کے اسکول کی چھٹیاں تھیں۔ نت نئے جانور دیکھنے کو مل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بچوں کو بھوک لگی تو باغ میں آ بیٹھے۔ یہ باغ چڑیا گھر کے احاطے میں ہی تھا۔ ''ہاں بھئی! سب بچے اپنے اپنے پسندیدہ جانور کے بارے میں بتائیں؟'' چاچو نے کہا۔ سارہ اور مسفرہ نے دستر خوان بچھانا شروع کر دیا تھا۔

''مجھے تو ہاتھی اچھا لگا۔'' ہادی بولا۔

''مجھے اچھلتے کودتے بندر بہت اچھے لگے۔'' مصطفیٰ نے فوراً کہا۔

''مجھے بھالو۔'' ''مجھے طوطا۔''

''چاچو! آپ کو کون سا جانور پسند ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''مور۔۔۔! مجھے مور بہت پسند ہے۔ یہ اپنی خوب صورتی کی وجہ سے پرندوں کی دنیا میں بادشاہ ہے۔ یہ پرواز سے محروم ہوتا ہے' جیسے مرغیاں ہوتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اتنا اُڑ سکتا ہے کہ ذرا سا پھڑ پھڑا کر کسی دیوار پر بیٹھ جائے۔'' چاچو نے کہنا شروع کیا۔ بچے غور سے ان کی بات سننے لگے۔ ''مور! حشرات کا بہت دشمن ہوتا ہے اور سانپ بہت شوق سے کھاتا ہے۔ اناج وغیرہ بھی کھالیتا ہے اور کچھ مور تو چوہے وغیرہ بھی مار کر کھالیتے ہیں۔ مور دوسرے پرندوں کی بہ نسبت زیادہ ہوشیار اور چوکنّا ہوتا ہے۔''

''چاچو! مورنی بہت خوب صورت ہوتی ہے نا؟'' مسفرہ نے پوچھا۔

''دیکھو' بیٹی! نر کے مقابلے میں عموماً مادہ زیادہ خوب صورت ہوتی ہے' مگر مور کے معاملے میں معاملہ برعکس ہے۔ نر مور زیادہ حسین ہوتا ہے اور رقص کرنے کی صلاحیت بھی صرف نر مور میں ہی ہوتی ہے۔ مورنی رقص نہیں کر سکتی۔ رقص کے وقت پھیلے ہوئے پر' تقریباً ڈیڑھ میٹر تک پھیل جاتے ہیں اور بہت ہی بھلے معلوم دیتے ہیں۔ مور کے پنکھ آرائش کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور بہت قیمتی ہوتے ہیں۔''

''چاچو! جیسا کہ مور بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ کیا اس کی آواز بھی ایسی ہی سُریلی ہوتی ہے؟'' سارہ پوچھ رہی تھی۔ ''نہیں' بیٹی! جب دن ڈھلنے لگتا ہے تو مور مورنیاں اپنے اپنے گھروں کی طرف چل پڑتی ہیں' اس وقت یہ اونچی آواز نکالتے ہیں۔ یہ آواز بلند بھی ہوتی ہے اور نہایت چُبھتی بھی ہے۔'' چاچو بولے۔

''چاچو! مورنی انڈے دیتی ہے نا؟''

''ہاں' بیٹا! ہر پرندے کی طرح مورنی بھی انڈہ دیتی ہے' جن کی تعداد دو یا تین ہوتی ہے۔ انڈوں سے بچے نکلنے میں تقریباً اکیس دن لگتے ہیں۔ مورنی ہر چھ ماہ بعد انڈے دیتی ہے۔''

''کیا مور کو پال سکتے ہیں؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔ ''ہاں' بیٹا! کیوں نہیں۔۔۔ یہ ایک پالتو پرندہ ہے اور انسان دوست ہوتا ہے۔ جنوبی ایشیا کے بعض خطوں میں اس کا گوشت بہت رغبت سے کھایا جاتا ہے۔ سنا ہے اس کا گوشت بہت لذیذ ہوتا ہے۔''

''چاچو! کیا یہ مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں؟''

''ہاں' بیٹا! نیلے مور کوہستانی جنگلات میں رہتے ہیں۔ سبز مور چین' بھارت' برما' سری لنکا میں پائے جاتے ہیں' جبکہ سفید مور وسطی' جنوبی ایشیا اور افریقا میں ملتے ہیں۔'' چاچو نے بتایا۔ بچے کھانا بھی کھاتے جا رہے تھے اور چاچو کی باتوں سے لطف اندوز بھی ہو رہے تھے۔ مور کے متعلق سن کر ان کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''چاچو! مجھ کو دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک اعجوبہ یاد آ رہا ہے' اس کا نام ''تختِ طاؤس'' ہے۔ فارسی زبان میں مور کو طاؤس کہتے ہیں نا؟'' ہادی بولا۔

''ہاں' بیٹا! تختِ طاؤس مغل بادشاہ' شاہجہاں نے فرانسیسی کاری گروں سے تین سال کی مدّت میں تعمیر کروایا تھا۔ اس تخت پر دو عدد مور بنے ہوئے ہیں' اسی لیے شاہجہاں نے اس کا نام تختِ طاؤس رکھا۔ یہ تخت خالص سونے سے بنا ہوا ہے۔ یہ اس قدر بہترین بنا ہوا ہے کہ پوری دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس تخت پر بنے موروں کے پنکھ ''الماس'' اور ''سبز زمرد'' کے سجائے گئے ہیں۔ مور کی چونچوں میں قیمتی ترین مالائیں لٹکائی گئی ہیں۔ تخت میں جا بجا ہیرے بھی لگے ہوئے ہیں۔ کوہِ نور ہیرا جو بہت مشہور ہے اور اب برطانوی تسلط میں ہے۔ یہ ہیرا پہلے اسی تخت کا حصہ تھا۔'' چاچو بتا رہے تھے۔

''چاچو! کیا یہ موروں والا تخت اب بھی موجود ہے؟''

''ہاں' بیٹا! یہ تخت اب بھی موجود ہے' لندن کے البرٹ میوزیم میں رکھا ہوا ہے اور بے حد حسین دکھائی دیتا ہے' ہیرے جواہرات کی وجہ سے چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے۔'' چاچوں نے بچوں کو بتایا۔ بچے کھانا ختم کر چکے تھے تو چاچو نے کہا: ''چلو بھئی! اب اٹھ جاؤ!'' بچے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور دستر خوان سمیٹنے لگے۔

''چاچو! آپ کو مور کے بارے میں اتنی معلومات کہاں سے ملیں؟''

''کتابیں پڑھنے سے۔ کتابیں پڑھنا بہت اچھا شوق ہے۔ آپ سب کو بھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔'' چاچو نے ترغیب دلائی۔

''جزاک اللہ' چاچو!'' تمام بچوں نے ایک ساتھ کہا۔

''بارک اللہ' بچو!'' چاچو نے مسکرا کر کہا۔

مور

فوزیہ خلیل

"بھئی! خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ اور میرے پیچھے آؤ!" چیف طارق بولے اور سیڑھیوں سے اترنے لگے اور وہ دونوں بھی ان کی تقلید میں نیچے اترے۔ نیچے انھیں بہت تنگ سا برآمدہ نظر آیا، جس کے آخری سِرے پر ایک کمرہ تھا اور دائیں بائیں دو دو کمرے تھے۔ یہ برآمدہ بھی کافی لمبا تھا۔ سب کمرے بند تھے۔ انھوں نے دائیں بائیں دروازوں کے چابی والے سوراخوں سے اندر دیکھا تو بہت سارے بچے اور نوجوان نظر آئے، جو کچے فرش پر بے سُدھ پڑے تھے۔ شاید یہ سب سو رہے تھے۔ وہ آگے بڑھے اور آخری کمرے میں جھانکنا چاہا، مگر کی ہول میں کوئی چیز ٹھنسی ہوئی تھی۔ اچانک چیف طارق کے دل میں ایک خیال آیا اور انھوں نے دروازے پر دستک دے ڈالی، انھیں یہ محسوس ہوا کہ اندر خاموشی چھا گئی ہے۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور تین فائر ہوئے، لیکن وہ تو پہلے ہی لوٹ لگا چکے تھے۔ اسی وقت ایک اور فائر ہوا اور اندر کھڑا ہوا آدمی تڑپتا ہوا نظر آیا۔ ان دونوں نے چونک کر چیف طارق کی طرف دیکھا، لیکن وہ خالی ہاتھ نظر آئے، البتہ ان کی جیب سے دھواں اٹھ رہا تھا، یعنی انھوں نے لیٹے لیٹے ہی جیب کے اندر سے گولی چلا دی تھی۔ "ابا جان! زندہ باد۔۔۔!" ان دونوں نے نعرہ لگایا۔ "واہ، ابا جان! آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔" امجد پُر مسرت لہجے میں بولا۔

"کک، کمال۔۔۔ لیکن مجھے تو کوئی کمال دور دور تک نظر نہیں آ رہا۔۔۔؟" انھوں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

"لیکن ابا جان! یہ کمال ہی تو ہے کہ دشمن ہمارے سامنے پڑا مر رہا ہے۔" امجد نے مسکرا کر کہا۔ "ارے، نہیں بھئی! میں نے تو صرف اس کی پنڈلی پر گولی ماری ہے اور دیکھ لو زیادہ خون بھی ضائع نہیں ہوا۔ ویسے اس کی سرکاری مرہم پٹی کرنے والے آ گئے ہیں۔" وہ عجیب سے انداز میں بولے۔

"جج، جی۔۔۔! کیا مطلب؟" ان دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور ان کے جواب میں چیف طارق نے عجیب سے انداز میں تالی بجائی۔

فوراً ہی دروازہ کھلا اور چیف طارق کی فورس کا انچارج اندر داخل ہوا۔

"ہاں عامر! تمہارے محاذ کا کیا رہا؟" چیف طارق نے پوچھا۔

"الحمد للہ! سب گرفتار ہو گئے ہیں سر!" عامر نے ادب سے کھڑے ہو کر بتایا۔

"جج، جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔؟ کون گرفتار ہو گئے ہیں؟" علی حیرانی سے بولا اور امجد بھی حیران نظر آ رہا تھا۔

"بھئی! اس کے ساتھی اور کون۔۔۔؟" چیف طارق نے زخمی کی طرف اشارہ کیا۔

"تو کیا اس کے ساتھی بھی ہیں؟" امجد نے بھنویں اچکائیں۔

"ہاں! رات کے وقت صرف یہ یہاں ہوتا ہے، جب کہ اس کے ساتھی شہر کی ایک عمارت میں رات گزارتے ہیں۔ یہ کل دس ساتھی ہیں۔ چیف طارق بولتے چلے گئے۔

"لیکن اس عمارت کا آپ نے کیسے سراغ لگایا؟" علی نے پوچھا۔

"میں نے عامر کو یہاں نگرانی کا حکم دے دیا تھا۔ رات اس زخمی کے ساتھی جب یہاں سے روانہ ہوئے تو میرے فورس کے آدمی ان کے تعاقب میں لگ گئے اور اس طرح ہم نے اس عمارت کا سراغ لگا لیا۔" چیف طارق نے بتایا۔ اب انھوں نے باقی چار کمروں سے بچوں کو نکالا، وہ لگے شور مچانے، لیکن چیف طارق نے انھیں سمجھایا کہ "شور مچانے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا، لہٰذا سکون اور اطمینان سے رہیں۔ آپ کو آپ کے گھر، اگر اللہ نے چاہا تو بخیر و عافیت پہنچا دیا جائے گا۔" ان کے سمجھانے سے بچے خاموش ہو گئے، ان کی تعداد کسی طرح بھی پچاس سے کم نہ تھی۔ ان میں فرید اور جنید بھی موجود تھے۔ اب وہ اس زمین دوز عمارت سے باہر نکل آئے۔ انھوں نے بچوں کو ان کے گھروں تک پہنچانے کا کام عامر کو سونپا اور خود اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

(جاری ہے)

کیلے کا چھلکا

بھیا کل اسکول کی چھٹی ہے۔ کیوں نہ کل سیر کو جائیں؟ یسری نے اپنے بھائی معظم سے کہا۔ ٹھیک ہے' ابو جب رات کو دفتر سے آئیں تو دونوں اکٹھے ابو سے کہیں گے۔ معظم نے اپنی بہن کو جواب دیا۔

رات کو جب ابو دفتر سے آئے تو یسری اور معظم دونوں ابو کے کمرے میں چلے گئے اور دونوں نے ابو کے سامنے اپنا مطالبہ پیش کیا۔

لیکن کہاں جائیں گے ؟ابو نے جھٹ سوال داغا' پھر خود ہی کہا :

چلو کل بحریہ ٹاؤن جائیں گے سنا ہے بہت خوب صورت جگہ ہے۔

چلو ابھی سے تیاری شروع کرو۔ امی نے کہا اور سب تیاری میں مشغول ہو گئے۔

صبح سب بحریہ ٹاؤن روانہ ہوئے' راستے میں معظم نے کیلے کا چھلکا باہر پھینک دیا۔ ابو نے اسے منع کرتے ہوئے کہا : بیٹا ایسا نہیں کرتے۔

لیکن ابو بہت سے لوگ گراتے ہیں' اگر میں نے گرا دیا تو کیا ہو گیا؟ معظم نے جذباتی انداز میں کہا۔ بیٹا لوگ تو اور بھی بہت غلط کام کرتے ہیں کیا ہمیں بھی اس طرح کرنا چاہیے ؟

اگر ہم میں سے ہر ایک یہ تہیہ کر لے کہ ہم ہر جگہ کچرا کنڈی نہیں بنائیں گے' اور غلط جگہ گاڑی پارک نہیں کریں گے' اسی طرح ہر جگہ تعفن اور گندگی نہیں پھیلائیں گے' لوگوں کی ایذا رسانی کا سبب نہیں بنیں گے' دوسرے مسلمانوں کو تنگ نہیں کریں گے تب ہی صحیح معاشرہ وجود پذیر ہو گا ورنہ ہمارا معاشرہ گندے کا گندا ہی رہے گا۔

ابو جان میں ان شاء اللہ آج کے بعد اس بات پر ضرور توجہ دوں گا۔

کب تک بچہ رہے گا؟

تڑاخ! تڑاخ! کمرے سے زوردار تھپڑوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ نصرت بیگم اپنے بیٹے زید کی پٹائی کر رہی تھیں۔ زید نے ابھی کھانا بھی نہیں کھایا تھا بلکہ اس نے پانی پینے کے لیے گلاس اٹھایا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ سے گلاس گر کر ٹوٹ گیا تھا۔ زید روتا جا رہا تھا اور مسلسل کہتا جا رہا تھا کہ اتنی سی بات پر مجھے اتنا مارا! میں ابو سے شکایت کروں گا کہ مجھے امی نے مارا ہے' وہ بڑبڑایا۔

ٹک' ٹک' ٹک' دروازے پر دستک ہوئی۔ کون؟' نصرت بیگم بولیں

دروازہ کھولو! ! اجمل صاحب کی گرج دار آواز سن کر نصرت بیگم نے بوکھلا کر دروازہ کھولا۔ اجمل صاحب جو کہ پہلے ہی سے غصے میں تھے زید نے لے کر سارے دن کی کارگزاری بھی سنا دی اور خود روتے روتے سو گیا۔

زید کی مما! اجمل صاحب نے اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔ جی! نصرت بیگم سر پر مصنوعی دوپٹا اوڑھتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

ادھر بیٹھو! اجمل صاحب سے پیار سے کہا! نصرت بیگم کے بیٹھتے ہی اجمل صاحب نے اپنے مقصد کی بات شروع کر دی :

کیا ہوا آج ہمارے منے کو کیوں مارا؟

وہ۔۔۔ وہ۔ جو پچھلے ہفتے گلاس کے نئے سیٹ لائی تھی ناں۔ منے میاں نے آج ان میں سے ایک توڑ دیا۔ اس لیے میں نے اسے دو تھپڑ لگا دیے تاکہ آئندہ گلاس سنبھال کر پکڑے۔ نصرت بیگم نے ایک ہی سانس میں سارا قصہ سنا ڈالا۔

ایک گلاس ٹوٹنے پر تم نے اسے اتنا مارا؟ بے چارے نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ ایسا نہ کیا کرو! کیا ہوا ایک گلاس ٹوٹ گیا تو؟ وہ تو ابھی بچہ ہے' ناسمجھ ہے' بچے تو شرارتیں کرتے رہتے ہیں' اور شرارتوں میں کبھی کبھار ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ بچے تو اچھے ہی شرارتوں سے لگتے ہیں۔ اجمل صاحب نے ایک نصیحت آموز لیکچر جھاڑ دیا۔

نصرت بیگم جو تیوریاں چڑھا کر اجمل صاحب کی باتیں سن رہی تھیں' یک دم تعجب اور حیرت کے انداز میں بول اٹھیں : اچھا! ابھی بچہ ہے' بڑا بھی ہو گا یا بچہ ہی رہے گا؟ کب تک بچہ رہے گا؟ نصرت بیگم کا ٹمپریچر ہائی ہو چکا تھا۔

میں جب بھی فجر کی نماز کے لیے اسے اٹھاتا ہوں تو آپ ہی کہتی ہیں کہ سونے دو ابھی بچہ ہے' سمجھدار ہو گا تو خود مسجد جانا شروع کر دے گا۔ دین کے سب سے اہم فریضے (نماز) کے لیے تو وہ آج تک بچہ تھا! لیکن دنیا کی ایک معمولی چیز (گلاس) ٹوٹنے پر بڑا ہو گیا؟ اجمل صاحب دکھی آواز میں بولے جا رہے تھے' اور نصرت بیگم کا سر شرم کے مارے جھک چکا تھا۔

بچوں کے فن پارے

محمد ابوبکر صدیق شعبہ حفظ 11 سال

آیلہ نور محمد فیصل البدر 1 سکول کراچی

امیمہ عباسی کلاس چہارم ،نجم دہلی گرلز اسکول دہلی کالونی

محمدعویمر علی، عمر 6 سال، کلاس پریپ ٹو

آثرہ شیخ،عمر دس سال، صفہ سویر اسکول گلشن اقبال کراچی

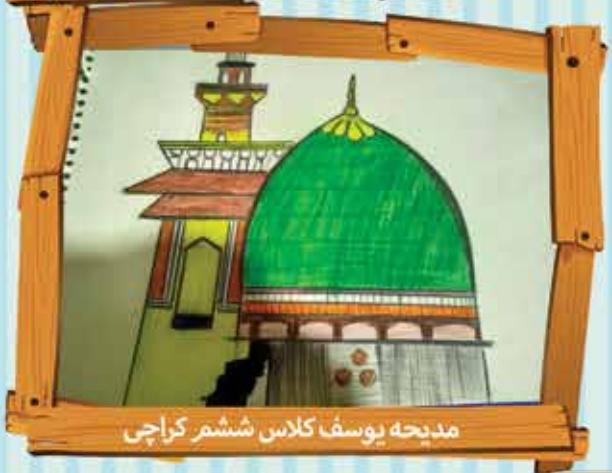

اُمِّ ہانی بنتِ کامران سات سال اول جماعت کراچی

مدیحہ یوسف کلاس ششم کراچی

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi
1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore
19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

پیارے بچو!

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے نا کہ سنت کسے کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرنے کو سنت کہتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سنت کی پیروی حضرت نوح کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا' اس نے نجات پائی' جو باقی رہ گیا' وہ غرق ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہم واقعی حضور اقدس ﷺ سے محبت رکھتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی شفاعت چاہتے ہیں تو ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ دن بھر کے تمام کام (صبح سے رات سونے تک) سنت یعنی رسول ﷺ کے طریقے کے مطابق ہوں۔ کوئی بھی عمل سنت کے خلاف نہ ہو

تو!!!

کرتے ہیں نہ پیارے بچے وعدہ

ماہنامہ فہم دین فروری کے سوالات

سوال نمبر 1 : وہ کون سے تابعی تھے جب سجدے میں جاتے تو ایسے ہو جاتے جیسے کوئی کپڑا بچھا ہوا ہے؟

سوال نمبر 2 : جگنو کو اس کی کیا بات یاد آئی؟

سوال نمبر 3 : ننھے احمد کی دعا سے کیا ہوا تھا؟

سوال نمبر 4 : حذیفہ بھائی کی بات پر ہادیہ نے کون سا شعر پڑھا؟

سوال نمبر 5 : حضور ﷺ کے لیے بادشاہ نے جو گھر رکھا تھا' اس میں آخر میں کون سے صحابی رہتے تھے؟

انعامات جیتنے کی نئی ترتیب

پیارے بچو! ماہ نامہ فہم دین کی سابقہ ترتیب یہ تھی کہ ایک شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور اس کے بعد والا شمارہ پریس میں ہوتا تھا' اس لیے ہم ایک شمارہ چھوڑ کے اس سے اگلے والے شمارے میں آپ کے سوالات کے جوابات بتا بھی دیتے تھے اور درست جواب دینے والوں کے نام بھی ذکر کر دیتے تھے' مگر پچھلے شمارے میں جیسا کہ آپ کے علم میں ہے' کچھ ناگزیر وجوہات کی وجہ سے رسالہ پریس میں کافی تاخیر کا شکار ہو گیا تھا' جس کے بعد ماہ نامہ فہم دین نے تین شمارے ایڈوانس تیار کر کے پریس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا ہے' تاکہ دوبارہ اس قسم کی انہونی سے بچا جا سکے' جس کی وجہ سے آپ کے ارسال کردہ جوابات ایک شمارے کے بعد شائع کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں رہا' چناں چہ آئندہ سے ترتیب یہ ہو گی کہ کسی بھی شمارے میں ذکر کردہ سوالات کے جوابات تین شمارے چھوڑ کے چوتھے شمارے میں شائع کیے جائیں گے' جیسے یہ جنوری کا شمارہ ہے تو اس کے درست جوابات مئی کے شمارے میں شائع کیے جائیں گے مگر یہ وضاحت بھی کرتا چلوں کہ جوابات ارسال کرنے کی آخری تاریخ اسی ماہ کی بیس تاریخ ہو گی' جیسے جنوری کے شمارے کے جوابات ارسال کرنے کی آخری تاریخ صرف بیس جنوری ہو گی۔ اس کے بعد ارسال کردہ جوابات مقابلے میں شامل نہیں سمجھیں جائیں گے' بلکہ پھر میگزین کے پریس چلے جانے کی وجہ سے ہم شامل کر بھی نہیں سکیں گے۔

ساقی نامہ

حفیظ جالندھری

فضاؤں پر مسلّط لشکرِ جنّات ہے ساقی
قیامت خیز طوفاں ہے اندھیری رات ہے ساقی
اٹھی ہے لعنتی تہذیبِ نو سیلاب کی صورت
ہے جس کے حلقۂ ہر موج میں گرداب کی صورت
تلاطم خیز موجیں ہیں گناہوں کے تھپیڑے ہیں
الٰہی خیر ہو ایمان کے کمزور بیڑے ہیں
ہوائے شیطنت کمزور بیڑوں کو ڈبوتی ہے
مگر اولادِ آدم تختۂ غفلت پہ سوتی ہے
میں انسانوں کو اس طوفانِ غفلت سے بچاؤں گا
میں ان سوئے ہوئے شیروں کی غیرت کو جگاؤں گا
وہی ضیغم جو تیرہ سو برس پہلے دہاڑے تھے
وہی پنجے جو حق نے سینۂ باطل میں گاڑے تھے
مجھے اُن کو اٹھانا ہے مجھے اُن کو جگانا ہے
پرانی گونج سے غوغائے باطل کو مٹانا ہے
پلا ساقی پلا وہ شعلۂ صہبائے ایمانی
کہ اُڑ جائیں دھواں بن کر وساوس ہائے شیطانی
دہانِ خامہ میں ٹپکا وہ بادہ اپنے ساغر سے
کہ جس کا قطرہ قطرہ تازیانوں کی طرح برسے
شرابِ معرفت کا از سرِ نو جام بھر ساقی
رگوں میں پھر پرانا آتشیں اِسلام بھر ساقی
پلا مجھ کو ساغر اسی صہبائے وحدت کا
کہ جس کی موج سے منہ پھیر دوں ہر فوجِ کثرت کا
مئے توحید کہنہ کا اُٹھا سر بستہ خم ساقی
سنا مردہ دلوں کو پھر وہی آوازِ قم ساقی
مری فطرت کو ساقی بے نیازِ دو جہاں کر دے
پیالہ سامنے دھر دے قلم میں زندگی بھر دے
زمانے میں نہیں مقصود میرا جز خدا کچھ بھی
مرے منہ سے نہ نکلے گا صداقت کے سوا کچھ بھی

شمعِ ایمان

مولانا محمد علی جوہرؔ، دیوانِ جوہر ص: 144

اس کو کیا خوفِ رہِ ظلمات ہے
جس کی رہبر خود خدا کی ذات ہے

نذرِ جاں دیں چل کے طیبہ، اپنے پاس
اُن کے لائق اک یہی سوغات ہے

قیدِ تنہائی کا لذت آشنا
کیسے کہہ دوں تارکِ لذات ہے

دل سے ہوتی رہتی ہیں سرگوشیاں
اب یہی اک مشغلہ دن رات ہے

کیا نہ ہوگی میری ہی حاجت روا
جس کا مولیٰ قاضی الحاجات ہے

تیرے بندے اُن پہ بھاری ہوں تو پھر
تیرا کیا کہنا تیری کیا بات ہے

تیری رحمت پر ہو جس کا آسرا
اس کو کیا غم حُزن و مافات ہے

قیدِ تنہائی میں بھی چھوڑا نہ ساتھ
نفس موذی بھی بڑا بدذات ہے

نبھ تو جائے توبہ، گرمی میں مگر
سوچتا ہوں سامنے برسات ہے

لے چلے ہیں اس کی رحمت کا یقیں
اپنی تو صاحب یہی اوقات ہے

شمعِ ایماں کو خدا روشن رکھے
قبر میں جوہرؔ کی پہلی رات ہے

حمدِ باری تعالیٰ

پہنچتا ہے ہر اِک مے کش کے آگے دورِ جام اس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطف ِعام اس کا
گواہی دے رہی ہے اس کی یکتائی پہ ذات اُس کی
دُوئی کے نقش سب جُھوٹے، ہے سچا ایک نام اُس کا
ہر اِک ذرہ فضا کا، داستاں اُس کی سناتا ہے
ہر اِک جھونکا ہوا کا آکے دیتا ہے پیام اُس کا
سراپا معصیت میں ہوں، سراپا مغفرت وہ ہے
خطا کوشی ،روش میری، خطا پوشی ہے کام اس کا
مری افتادگی بھی میرے حق میں اُس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اس کا
ہوئی ختم اُس کی حجت اِس زمیں کے بسنے والوں پر
کہ پہنچایا ہے اِن سب تک محمدؐ نے کلام اُس کا

شاعر: مولانا ظفر علی خان

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ ! اللہ! موت کو کس نے مسیحا کر دیا
سات پردوں میں چھپایا، حسنِ کائنات کو
اب کس نے اس کو عالم آشکارہ کر دیا
کہہ دیا لا تقنطوا اخترؔ کسی نے کان میں
اور دل کو سر بسر محوِ تمنا کر دیا

پنڈت ہری چند اختر ایم اے

غلطیوں کا بوجھ

غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ اگر اس کو نہ روکا جائے تو یہ غلطی انسان کو جھوٹ بولنے پر لگا دیتی ہے اور جھوٹ انسان کی عادت بن جاتی ہے اور پھر یہ عادت اسے دوسرے گناہوں کی طرف لے جاتی ہے اور گناہ انسان پر بوجھ بن جاتا ہے۔

غلطی کیا ہوتی ہے؟ غلطی کسی کے ساتھ بداخلاقی ہے۔ کسی سے لڑنا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا ہے اور کسی کو دھوکا دینا اور بڑائی کرنا۔ ان سب باتوں سے بچنے کے لیے ہمیں اپنی غلطیوں کو دور کرنا ہوگا۔

پینسل پر آپ نے ایک ربڑ لگی دیکھی ہوگی۔ یہ مٹانے کے لیے ہوتی ہے کہ اگر لکھتے وقت آپ سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو آپ فوراً مٹا سکیں۔ ہمیں غلطیاں کم سے کم کرنی چاہییں، تاکہ ربڑ کا استعمال کم سے کم کرنا پڑے اور وہ پینسل کے ساتھ چل سکے۔ اگر ہم ایک ہی غلطی کو بار بار کریں گے اور پھر ربڑ سے اسے مٹائیں گے تو پینسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے گی۔

ہماری زندگی بھی اسی پینسل کی طرح ہوتی ہے اور ربڑ ہماری زندگی میں وہ مواقع ہوتے ہیں، جو ہمیں اپنی غلطیوں کو درست کرنے کو ملتے ہیں۔ پس اگر ہم اپنی غلطیوں کو فوراً مان لیں تو وہ جمع نہیں ہوں گی اور جھوٹ نہیں بنیں گی اور جھوٹ عادت نہیں بنے گا اور عادت گناہ نہیں بنے گی اور گناہ ہم پر بوجھ نہیں بنیں گے اور غلطیوں کا بوجھ نہ بننا ہی ہمیں دوسری غلطیوں سے روکتا ہے۔

کچھ اس طرح سے میں نے اپنی زندگی آسان کر لی
کسی سے معافی مانگ لی، کسی کو معاف کر دیا

مرسلہ: ثنا مشتاق نیازی، کراچی

اگر ہم سمجھنا چاہیں

خاندانی نظام اللہ پاک کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے، لیکن اس نعمت کی قدر و قیمت سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، اگر ہم خاندان کی قدر و قیمت سمجھنا چاہیں تو ایک ریڑھی والا بھی ہمیں سمجھا سکتا ہے، لیکن اگر ہم نہ سمجھنا چاہیں تو بڑے سے بڑا فلاسفر بھی ہمیں خاندان کی قدر و قیمت سمجھانے میں ناکام رہے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بڑے سے بڑا فلاسفر ہمیں سمجھانے میں ناکام ہو سکتا ہے تو پھر ایک ریڑھی والا ہمیں کیسے سمجھائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: کوئی ہمیں اسی صورت میں سمجھا سکتا ہے اگر ہم سمجھنا چاہیں۔ ریڑھی والا ہمیں کس طریقے سے سمجھائے گا؟

ابھی گھر سے باہر نکلیے۔ کسی فروٹ کی ریڑھی والے کو تلاش کیجیے۔ مل گیا؟ ریڑھی والے سے کیلے یا انگور کا ریٹ پوچھیے۔ پوچھ لیا؟ اب ریڑھی پر دائیں بائیں نظر دوڑائیے۔ کیا نظر آیا؟ الگ الگ کیلے، الگ الگ انگور؟ اب ان کا ریٹ پوچھیے، پوچھ لیا؟ کیا فرق ملا؟ انگور گچھے والا 100 روپے کلو۔ کیلا گچھے والا 60 روپے درجن۔ اسی گچھے سے الگ ہوا انگور (الگ الگ انگور) 50 روپے کلو۔ اسی گچھے سے الگ ہوا کیلا (الگ الگ کیلا) 30 روپے درجن۔

لیجیے ایک ریڑھی والا ہمیں خاندان کی قدر و قیمت سمجھا گیا۔ انگور اور کیلے کی قیمت میں کمی کیسے ہوئی؟ صرف گچھے سے الگ ہونے کی صورت میں انگور اور کیلے کی قیمت آدھی رہ گئی۔ کیا ہم نے انگور اور کیلا گچھے سمیت کھانا تھا؟ بالکل نہیں، جس طرح گچھے سے الگ ہوئے انگور اور کیلے کی قیمت آدھی رہ گئی، بالکل اسی طرح اگر ہم اپنے خاندان سے الگ ہوں گے تو ہماری قیمت بھی کیلے اور انگور کی طرح آدھی رہ جائے گی۔

مرسلہ: محمد بلال، چیچہ وطنی

اپنی ذات کے ساتھ معاہدہ

کسی اہم اور ضروری کام سے متعلق اپنی ذات کے ساتھ 'ایک کمٹمنٹ' ایک وعدہ 'ایک معاہدہ کیجیے' آپ جو بھی کام کرنا چاہ رہے ہیں 'اسے ایک کارڈ پر نوٹ کر لیجیے اور وہ کارڈ اپنے دفتر میں اپنی میز کے ساتھ نمایاں جگہ پر لگا لیجیے' ساتھ ہی اس کی ڈیڈ لائن بھی دے دیجیے اور نیچے اپنے دستخط کر دیجیے تاکہ آپ کو پتا چلتا رہے کہ آپ نے یہ کام کرنا ہے اور یہ بھی احساس رہے کہ آپ نے اپنے آپ سے ایک وعدہ کیا ہے اور یہ وعدہ مقررہ وقت تک پورا کرنا ہے۔

پلیز اور سوری

پلیز اور سوری ایک ایسی گاڑی کے دو پہیے ہیں جن پر سوار ہو کر آپ ہر قسم کی گاڑیوں سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں بڑے کام کی چیزیں ہیں۔ ان کا اسٹاک ہر وقت اپنے پاس رکھیں، نہ جانے کس وقت ان کی ضرورت پڑ جائے اگر کسی کو زحمت دینے کا ارادہ ہو تو پلیز کا پیشگی استعمال سود مند رہتا ہے، لیکن اگر خدانخواستہ آپ کو پلیز کہنا یاد نہ رہا ہو تو فکر کی کوئی بات نہیں، قبل اس کے کہ وہ جسے آپ زحمت ہی میں مبتلا کر چکے ہیں آپ پر جوابی کاروائی کرنے کا سوچے، آپ فوراً ایک عدد ''سوری'' اس کے منہ پر دے ماریں۔

(لِکا جانا یوسف کا، یوسف ثانی)

آپ کے اشعار

خار راہوں کے پھول بن جائیں
خود کو منزل کا یوں دیوانہ کرو
خالد اقبال تائبؔ

لگا جو پیٹ میں نیزہ تو سمجھے دشمن ہے
مگر پلٹ کے جو دیکھا تو آشنا نکلا
عبدالحفیظ نعیمی

صانع کو دیکھنا ہے تو عالم پہ کر نظر
آئینہ آئینہ ہے خود آئینہ ساز کا
عظیم آبادی

تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ
کہا جو سر کو جھکا کے، گنہ گار ہوں میں
علامہ محمد اقبالؒ

ہے اب تو سارے مراسم کا انحصار یہی
کسی کی ذات سے ہم کو مفاد کتنا ہے
مرتضیٰ برلاس

آیا جو کبھی وقت تو یہ ساتھ نہ دے گا
پوجا نہ کرو حد سے فزوں اپنے نفس کی
ریاض انورؔ

شام کے شہر ادلب میں بیواؤں اور یتیموں کے لیے 108 مکانات پر مشتمل بستی

قریہ بیت السلام

1250 یتیم اور 500 سے زیادہ بیوائیں بیت السلام کی کفالت میں ہیں

رپورٹ: محمد فراز حسن

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ نے سرزمین انبیا شام کی ہول ناک جنگ کے نتیجے میں متاثر ہونے والوں کی خدمت اور دیکھ بھال شروع کی تو متعدد دیگر منصوبوں کے ساتھ ساتھ بیوہ ہونے والی سینکڑوں خواتین اور یتیم بچوں کی کفالت بھی اپنے ذمے لی۔ چناں چہ شام کے شہر ادلب میں پہلے ایمان کیمپ، پھر عائشہ کیمپ اور اس کے بعد قریہ زم زم نامی کیمپ میں رہائش پذیر بیواؤں اور یتیموں کی مکمل کفالت بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے ذمے ہے۔ اس کفالت میں رہائش، خوراک، علاج اور تعلیم شامل ہیں۔ مجموعی طور پر 1250 کے قریب یتیم بچے اور 500 سے زیادہ بیوائیں ہیں، جو، ان کیمپوں میں رہائش پذیر ہیں۔ اسکول جانے کی عمر کے بچے ادلب میں واقع اسکول سلطان عبدالحمید الثانی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جو خاص طور پر ایسے ہی بچوں کے لیے قائم کیا گیا تھا، ان بچوں کی تعداد 500 سے زیادہ ہے۔ چھوٹی عمر کے بچے اپنے اپنے کیمپوں ہی میں بنیادی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

ان ہی بیوہ خواتین اور یتیم بچوں کے لیے قریہ بیت السلام کے نام سے ایک بستی قائم کی جا رہی ہے، جس میں 108 مکانات تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ یہاں وہ بیوہ خواتین رہیں گی، جن کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور ان کا کیمپوں میں چھوٹے بچوں کے ساتھ رہنا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ قریہ بیت السلام میں رہائشی مکانات کے ساتھ ساتھ اسکول بھی قائم کیا جا رہا ہے۔ مسجد بھی تعمیر ہو رہی ہے اور علاج کے لیے کلینک بھی قائم کیا جا رہا ہے۔

J.
FRAGRANCES

چلتا رہے یہ کارواں

JUNAID JAMSHED

1964 - FOREVER

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics j.fragrances.cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

Brighto™

Inspired by Nature

Brighto AllColor

Décor assumes a different meaning with Brighto Special Coatings. They give your living space a prestigious decorative finish by creating a world of beauty, luxury and sophistication.

Regd.# MC - 1366

brighto.paints | Toll Free 08000-1973 | BrightoPaintsPK | www.brightopaints.com

Brighto PAINTS